دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۱۰	ذی الحجہ ۱۴۴۷ھ - محرم الحرام ۱۴۴۸ھ مطابق جون ۲۰۲۶ء	شمارہ: ۶

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند	مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
https://darululoom-deoband.com/urdumagazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.**:** 2133/57
Vol. No. 110, Issue No. 6, June 2026 जून 2026
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 50/=	Annual Subscription Rs. 500/=

Annual by Regd Post. Rs. 700/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۲۱۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۸۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۸۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز		محمد سلمان بجنوری	۳
تحقیقی مقالات	طبقات فقہائے حنفیہ پر عمومی نظر	مفتی عبداللہ فردوس	۴
//	مولانا ادریس کاندھلویؒ کی تفسیر معارف القرآن	مولانا فضل الرحمٰن اصلاحی	۱۷
اسوۂ حسنہ	رسولِ اکرم ﷺ کی تجارتی زندگی	مولانا غلام اکبر لاشاری	۲۸
//	حجۃ الوداع کا پیغام	ڈاکٹر فہد انوار	۳۵
اصلاح ورہنمائی	تہجد کی فضیلت کس طرح حاصل ہو؟	مولانا محمد محمود حسن ڈھاکہ	۴۰
//	والدین بچوں کے لیے حقیقی معلم و مربی	مولانا محمد توقیر رحمانی ممبئی	۴۵
//	ماڈرن لباس سے بے حیائی کا فروغ	مولانا فضیل اختر قاسمی بھیروی	۴۸
//	آن لائن نکاح کی شکلیں	مفتی محمد فیاض عالم قاسمی	۵۳

ختم خریداری کی اطلاع

- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/700 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

حرف آغاز

محمد سلمان بجنوری

یہ طوفاں کیف ومستی کا، یہ بارش، نور وعرفاں کی
الٰہی! عمر میں میری، پھر آئے، بار بار آئے

اللہ رب العزت نے اپنے فضل سے، ان سطور کے لکھنے والے گنہگار بندے کو، اس سال ایک بار پھر اپنے اُن خوش نصیب بندوں میں شامل ہونے کی سعادت بخشی جو دنیا کے مختلف ملکوں اور دور وقریب کے علاقوں سے، اُس کے گھر کا طواف کرنے اوراس کے حکم کے مطابق، مناسک حج ادا کرنے کے لیے حاضر ہوئے تھے، اس سعادت میں گھر کے کچھ افراد کی بھی رفاقت رہی، کل سولہ سترہ دن کا سفر رہا، جس میں زیادہ ایام، مکہ مکرمہ میں قیام اور مناسک کی ادائیگی میں گزرے، دو دن کے لیے، اُس بارگاہ ادب میں حاضری رہی جہاں جنید و بایزید جیسے لوگ بھی نفس گم کردہ، آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حرمین شریفین کی حاضری ایسی سعادت ہے جس کی تمنا ہر ایمان والے دل میں جوش مارتی رہتی ہے؛ لیکن خالق کائنات کی حکمتوں کے مطابق سب کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوتی۔ یقیناً وہ لوگ بہت خوش بخت ہیں جن کو وہاں بلالیا جائے؛ لیکن اگر خدانخواستہ، وہاں کا چکر لگانے کے بعد بھی سچی توبہ اور تقویٰ زندگی کا حصہ نہ بنے تو بڑی محرومی کی بات ہے اور اگر اللہ رب العزت کی حکمت کے تحت وہاں حاضری نہیں ہوئی؛ لیکن رب کے احکام کی تعمیل میں زندگی گزری تو اصل مقصد حاصل ہے؛ چنانچہ بڑی تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں یا گزر چکے ہیں جنھوں نے حرمین کی زیارت نہیں کی؛ لیکن دین داری اور تقوے کی سعادت سے بہرہ ور رہے اور وہ ہم جیسے لوگوں کے کے لیے قابل رشک ہیں۔ اللہ تعالیٰ حاضر ہونے والوں کی حاضری قبول فرمائے اور دیگر لوگوں کو حاضری نصیب فرمائے اور سبھی کے لیے تقوے کی زندگی گزارنا آسان فرمائے۔ آمین!

* * *

طبقات فقہائے حنفیہ پر عمومی نظر

از: ڈاکٹر مفتی عبداللہ فردوس

تاریخ لکھنے کا رواج قدرتی طور پر اسلامی فتوحات کے بعد شروع ہوا اور سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں مؤرخ یعقوبی المتوفی 292ھ نے تاریخ یعقوبی اور اس کے بعد امام ابن جریر طبری المتوفی 310ھ نے تاریخ طبری لکھی۔

لیکن طبقات کی ابتدا، اس سے پہلے ہوگئی تھی اور بعد میں ترقی کرکے ایک فن کی حیثیت اختیار کیا۔ مزید ترقی کرکے علم اور تمدن کے زمانہ میں مختلف طبقات، مثلاً طبقات علما، فقہا، شعرا، حکما، اطبا، اور متکلمین وغیرہ کے الگ الگ طبقات قائم ہوئے۔

یہ ایک تاریخی بحث ہے کہ عباسی دورِ حکومت فقہی مکاتبِ فکر اور عربی علوم وفنون کا سنہرا دور رہا ہے۔ اسی عہد میں بڑے بلند پایہ۔ عالی ہمت اور اپنی ذہانت وفطانت کے اعتبار سے محیر العقول علما وفقہا، پیدا ہوئے؛ کیوں کہ اس دور کی ضرورت کے لحاظ سے اسی درجہ کے اہلِ علم کی ضرورت تھی۔ پھر ان میں سے بعض بلند پایہ فقہا، نے مستقل دبستان فقہ کی بنیاد رکھی اور ان سے علمی وعملی تاثر کی وجہ سے اہلِ علم کی ایک معتد بہ تعداد ان کے ساتھ ہوگئی۔ انھوں نے علوم کی اشاعت، تدوین اور تائید وتقویت کے ذریعہ مستقل فقہی مکاتب کو وجود بخشا ان شخصیتوں میں سب سے ممتاز شخصیات ائمہ اربعہ کی ہیں۔

ایک مفتی کے لیے طبقات الفقہا، سے واقفیت ضروری ہے۔ ان کے نظریات، رجحانات، ذوق اور اسلوب کا جاننا از حد مفید ہے، اگرچہ بعض مسائل میں جس سے تفرد کی دعوت محسوس ہو اتفاق نہ کریں؛ مگر نفسِ واقفیت سے مسائل، فتویٰ اور اجتہاد میں بڑی مدد ملتی ہے؛ کیوں کہ کسی معمولی آدمی کی زیادہ تعریف کرنا یا کسی بڑے شخص کی معمولی تعریف کرنا سب پر پانی پھرنے کے مترادف ہے۔ اس

سے مسئلے اور اجتہاد کا کوئی وزن باقی نہیں رہتا ہے۔

یہ وہ خوش قسمت مجتہدین ہیں جن کی فقہ کو منجانبِ اللہ بقا حاصل ہوا اور آج تک عملی طور پر قائم اور نافذ ہے، ان مکاتبِ فقہ میں ہر دور میں ماہرین فقہاء کا وجود تسلسل کے ساتھ رہا ہے۔ ہر دور میں اس کے تقاضوں کے مطابق علم وتحقیق کے میدان میں خدمات انجام دیتے رہیں۔

یہ بات ضروری ہے کہ فقہائے احناف میں سے بہت عدیم النظیر ،فقید المثال اور علم کے شہسوار گزرے ہیں، جن کی تنقیحات اور توضیحات کے لیے مؤرخین اپنی فکری اور قلمی کاوشوں میں جگہ نہیں دیتے اور نہ دیا گیا، نہ ان کی سوانح زندہ ہیں؛ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ قاضی صیمریؒ کتابوں کے اوراق اور صفحات میں پوشیدہ ہیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔

ہم قاضی صیمریؒ کے قضا کے کارناموں کو، ان کے اساتذۂ کرام اور شاگردوں کے تذکروں کو، ان کی تصانیف[1] اور علمی کارناموں سے گریز کرکے، طبقات کے بانی اور مؤسس ہونے کی حیثیت سے یہاں بحث کریں گے۔ طبقات بنانے میں قاضی صیمریؒ کو اوّل حیثیت حاصل ہے۔

القاب جو بھی ہو کام اپنا نام خود متعین کراتا ہے۔ یہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ موصوف ان القاب کے حق دار تھے اور نمایاں طور پر یہ صفات اس میں موجود تھے۔

طبقات حنفیہ پر پہلا قلم اُٹھانے والے یہی قاضی صیمریؒ ہیں۔ اگر چہ ان کا نام وتذکرہ طبقات کی کتابوں میں یکسر معدوم ہے۔

تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' میں علامہ ابن کثیر شافعیؒ المتوفی 774ھ نے ایک پیرگراف میں ان کے حالات کو سمیٹ لیا۔ شذرات الذہب میں ابن عماد حنبلیؒ المتوفی 1089ھ نے بھی کچھ اس طرح معاملہ کیا۔ خطیب بغدادی المتوفی 463ھ جو ان کے ہم وطن اور شاگرد ہیں۔ ان کی صرف ایک بات نقل کی کہ قاضی صیمریؒ اپنے دور میں بغداد شہر میں احناف کے شیخ تھے۔

یہ خطیب بغدادی کا اپنا ایک انداز ہے۔ الوافی بالوفیات للصفدی میں ایک لفظ الحنفی کی قید بڑھا دی گئی۔ یہ دوسرے مکاتب فکر کے علماء کی آراتھیں۔

اور علمائے احناف میں صاحب الجواهر المضيّة فی طبقات الحنفية لعبد القادر بن محمد بن نصر اللہ المتوفی (۷۷۵ھ) اور الطبقات السنية فی تراجم الحنفية لعلامہ تقی الدین غزی المتوفی ۱۰۰۵ھ) نے یہ قول نقل کیا ہے:

وقال أبو الوليد الباجی كان إمامَ الحنفية ببغدادَ وكان قاضيًا عالمًا خبرا

والصيمرى بفتح الصاد وسكون الياء آخر الحروف وفتح الميم وفى آخرها راء[۲] هذه نسبة إلى موضعين أحدهما إلى موضع نهر من أنهار البصرة يقال له الصيمر عليه عدة قرى. والثانى نسبة إلى بلدة بين ديار الجبل وخوزستان.[۳]

بس اسی پیراگراپ میں قاضی صیمریؒ کے حالات کوسمیٹ لیا۔

مجھے قاضی صیمریؒ سے لگاؤ کیسے پیدا ہوا؟ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی کتاب ''امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی'' میں قضا سے متعلق دیکھ رہا تھا۔ اس میں محمد بن موسیٰ کے شاگردوں میں قاضی صیمریؒ کا تذکرہ بھی آیا۔ گیلانی صاحب نے لکھا ہے کہ قاضی صیمریؒ کی طبقات پر بہترین کتاب ہے، اس بات کو علامہ ابن القیم الجوزیؒ المتوفی 751ھ نے المنتظم میں لکھا ہے۔[۴] لیکن مجھے تتبع اور تلاش کے باوجود المنتظم میں اس کا تذکرہ نہیں ملا۔

اب قاضی الصیمری کا تذکرہ بھی سنیے:

چوتھی صدی ہجری میں قاضی صیمریؒ بغداد کی تاریخی سرزمین پر (351-436ھ) پیدا ہوئے۔

الصَیْمَری صَیْمَر بروزن حیدر ہے اور اسی نسبت کی وجہ سے صیمری کہلاتے ہیں۔ پورا نام حسین بن علی بن محمد بن جعفر ہے۔ ابوعبداللہ کنیت ہے۔ قاضی صیمریؒ پانچ واسطوں سے امام محمدؒ کے شاگرد ہیں۔ خطیب بغدادی آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے کہ صدوق، وافرُالعقل، جميل المعاشرة، عارفًا بحقوق اهل العلم۔

حافظ عبدالقادر قرشی فرماتے ہیں کہ بمقام ربع الکرخ منصبِ قضا پر تا وفات فائز رہے۔ امام ابوالولید الباجی فرماتے ہیں کہ بغداد میں ان کو احناف کی امامت حاصل تھی اور لکھا ہے: كان قاضيًا عالمًا خبرًا.

ان کی تاریخِ وفات بروز اتوار ۲۱؍شوال ۴۳۶ھ اور ولادت ۳۵۱ھ ہے۔ کل عمر 85 سال ہے۔

طبقات پر بندہ نے ''فقہ اسلامی کے ثانوی اصول شرع'' میں تفصیل سے لکھا۔ یہ اس کا ایک مختصر جائزہ ہے۔ اگرچہ تفصیلی مقالہ میں دوسری مفید باتیں بھی ہیں۔

یہ بات ضروری ہے کہ فقہ سمجھنے کے لیے ہر دور کے اجتہادات یعنی طبقات الفقہاء کا جاننا ضروری ہے۔ کہ مجتہدِ مطلق، مجتہد منتسب اور مجتہد مذہبی کون ہیں؟

میں نے ابن کمال باشا کی ''الرسالة فى دخول ولد البنت فى الموقوف على الأولاد'' اور قاضی صیمریؒ کی ''أخبار أبى حنيفة وأصحابه رضى الله عنه وعنهم'' دونوں کتابوں کا مطالعہ

کیا کہ ابن کمال باشا نے قاضی صیمریؒ سے کتنا فائدہ اُٹھایا؟ یا اپنی بنیاد پر تعمیر کی۔ قاضی صیمریؒ نے طبقات کی بنیاد ڈالی(۵) دوسروں نے آگے بڑھایا، اس کے بعد والوں نے تکمیل تک پہنچایا۔ اگر چہ درمیان میں زمانوں اور علاقوں کا فاصلہ بھی آ گیا؛ مگر علم کے قافلے نے کہیں پڑاؤ نہیں ڈالا۔ دورِ حاضر میں شیخ احمد النقیب نے ”المذهب الحنفی :مراحله وطبقاته، ضوابطه ومصطلحاته، خصائصه ومولفاته“ نامی کتاب میں بہت اچھا کام کیا۔

اگر چہ قاضی صیمریؒ نے طبقات کی ابتدائی بنیاد رکھی ہے اور حتی الامکان 404ھ تک طبقات میں انھیں علماء اور فقہاء کو رکھا ہے جنھیں بعد کے علمائے احناف نے رکھا۔ قاضی صیمریؒ نے اپنی کتاب ”أخبارأبی حنیفه وأصحابه رضی الله عنه وعنهم“ نامی کتاب کے آخر میں ایک عنوان رکھا۔ ”طبقات أصحاب أبی حنیفه إلی وقتناهذا“ اورکتاب کے آخر میں لکھا ہے۔”فهذا آخرماذکرنامن طبقات أصحابنا بالعراق وماقرب منه“.(۶)

قاضی صیمری کے بارے میں مولانا احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ قاضی صاحب پانچویں صدی ہجری کے مستند عالموں میں ہیں۔ خصوصاً طبقات حنفیہ میں ان کی رائے بہت وقیع سمجھی جاتی ہے۔(۷)

ایک کھلی حقیقت

نَبْنی کما کانت أوائلُنا نبْنی ونَفْعَلُ مِثْل ما فَعَلوا

اتنا جو کچھ ہوا پچھلوں کی تحقیقات پر تعمیر کیا گیا اگر پچھلے بنیاد نہ رکھتے تو اگلے تعمیر نہیں کر سکتے۔

جس پر علامہ ابن کمال باشا نے تعمیر کی اور اپنی کتاب کی بنیاد علامہ ابن الصلاح کی تقسیم پر رکھی ہے۔ یعنی مضمون وہی ہے صرف لفافہ بدلا گیا۔

دونوں کتابوں میں باوجود اختلاف کے بہت سی قدریں بہرحال مشترک ہیں۔ ہاں یہ بات ضروری ہے کہ ہر علم پہلے نومولود ہوتا ہے پھر بڑھتا، جوان ہوکر اپنی آخری منزل کو پہنچتا ہے۔ خدمت والے زمانے کے اعتبار سے مقدم مؤخر ہو سکتے ہیں قاضی صیمریؒ نے اپنے زمانے کے اعتبار سے ایک درجہ بندی کی جس میں صرف مجتہدین تھے، اسی کو طبقات سے تعبیر کیا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ جن حضرات نے طبقات الفقہاء پر ابتداً جو لکھا ہے وہ چند صفحات سے زیادہ نہیں ہے۔ بعد میں اس متن پر شرح، حاشیہ، تائید اور تنقید نے کام کو بڑھا دیا۔

ہاں یہ بات ضروری ہے کہ ایک زمانے کا اجتہاد دوسرے زمانے کی بنسبت بدلتا رہتا ہے۔ پہلے

زمانے کا مجتہد مطلق ہوتا ہے پھر مجتہد منتسب پھر مجتہد مذہبی یہ معاملہ تیسری، چوتھی صدی ہجری تک رہا ہے۔ اس کے بعد تخریج، ترجیح، تمیز اور تقریر کا دور دورا شروع ہوا۔

قاضی صیمری نے لکھا ہے کہ ہر مقلِد کے لیے اپنے امام کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کے شاگردوں کے حالات سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے(۸) کیوں کہ علماء ایک درجہ میں نہیں بعض مجتہد اور بعض مقلد ہیں۔

آگے لکھنے سے پہلے ہم دسویں صدی کے مشہور عالمِ دین علامہ قاضی شمس الدین احمد بن سلیمان ابن کمال باشا المتوفی 940ھ جو کہ مشہور محقق اور مصنف ہیں۔ آپ نے اتنی کثیر تعداد میں تصانیف تحریر کی ہیں کہ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے:

قلّمایو جدفن من الفنون ولیس لابن کمال باشامصنف فیه.

مستقل کتابوں(۹) کے علاوہ سوتک رسائل بھی ہیں(۱۰) جو رسائل ابن کمال باشا کے نام سے دار اللباب سے لجنۃ المحققین کی تحقیق سے آراستہ ہو کر طبع ہو چکی ہے۔ طبقات کی بحث رسالہ نمبر 37 پر "الرسالہ فی دخول ولد البنت فی الموقوف علی الاولاد"(۱۱) صفحہ 120-136 تک ہے۔ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ علامہ ابن کمال باشا پہلا شخص نہیں ہے جس نے طبقات پر کام کیا؛ بلکہ انھوں نے بہت سے متقدمین سے فائدہ اُٹھایا جو اس باب میں پہلے قدم رکھ چکے ہیں۔ یہاں ان کی تقسیم زیادہ مشہور ہے۔

مؤیدین

علامہ ابنِ کمال باشا نے فقہائے احناف کے جن سات طبقات شمار کی بنیاد رکھی ہیں ان کو متاخرین علماء میں سے درج ذیل حضرات نے تائید کے ساتھ نقل کیا:

۱- علی بن امر اللہ الحنائی المتوفی 979ھ نے اپنی کتاب ''طبقات الحنفیہ'' میں۔

۲- ملاعلی القاری المتوفی 1014ھ نے "شمّ العوارض فی الرد علی الروافض" میں۔(۱۲)

۳- علامہ ابن عابدین شامی المتوفی 1252ھ نے عقود رسم المفتی اور رد المحتار کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

تحفظات

فقہائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام مجتہدین، اصحابُ التمیز والترجیح ایک درجے کے نہیں

ہوتے ہیں؛ بلکہ ان کے درجات ومراتب مختلف ہیں؛ تاہم اس درجہ بندی کے اسباب کے بارے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ یہ اختلاف ان کے اپنے اپنے نقطۂ نظر کی بنا پر ہے۔

۱- ان تحفظات میں سرفہرست علامہ شہاب الدین المرجانی المتوفی 1233ھ-1306ھ نے ''ناظورۃ الحق فی فرضیۃ العشاء وان لم یغب الشفق'' میں کی ہے اس نے لکھا ہے کہ یہ صحت سے دور اور توہم پر مبنی ہے۔

۲- اور علامہ عبدالحئ لکھنوی نے ''النافع الکبیر'' اور مقدمہ ''عمدۃ الرعایۃ'' میں اس تقسیم پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔

۳- اور شیخ عبدالقادر الرافعی نے تقریرات الرافعی میں مولانا عبدالحئ لکھنوی کی تائید کی ہے۔(۱۳)

۴- امام زاہد الکوثری المتوفی 1371ھ نے حُسن التقاضی فی سیرۃ الإمام إبی یوسف القاضی میں ایک عنوان قائم کیا "تعقّب الشهاب المرجانی لكلام ابن الكمال فی طبقات الفقهاء" اس کے تحت امام زاہد الکوثری نے لکھا ہے کہ "لمافی ذلك من الفوائد" آگے کئی اہم مباحث کو زیر بحث لایا اور مذکورہ تقسیم پر رد لکھا کہ لم يصب فی احدالامرين: لا فی الترتيب الطبقات ولافی توزيع الفقهاء عليها۔(۱۴)

۵- امام ابوزہرہ نے "المذهب الحنفی: مراحله وطبقاته، ضوابطه ومصطلحاته، خصائصه ومولفاته" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ کئی نکات کی وجہ سے یہ تقسیم مخدوش ہے۔(۱۵)

۶- المتانة فی مرمّة الخزانة کے محقق ابوسعید غلام مصطفیٰ القاسمی السندھی المتوفی 1424ھ نے طبقات کے بحث میں لکھا ہے کہ ولكن هذا التقسيم كان غلطاً فاحشاً من ابن كمال باشا الرومی.... فقدّم واخّر، وجعل المجتهد مقلِّداً والمقلَّد مجتهداً فانتقد عليهم العلامة عبدالحی الكهنوی والعلامة شيخ محمد بخيت۔(۱۶)

۷- شیخ محمد بخیت المطیعی المتوفی 1354ھ نے "ارشادأهل الملة إلى اثبات الأهلة" میں اس تقسیم کو غلط قرار دیا۔(۱۷)

۸- شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی نے "أصول الافتاء وآدابه" میں بھی ابن کمال باشاؒ کے تقسیم کو پسند نہیں کیا۔(۱۸)

۹- ابوالحاج صلاح محمد سالم نے تو یہ الفاظ ذکر کیے ہیں کہ: وغفلة ابن كمال باشاعن هذاواتيانه بطبقات المشهورة صنعت تشويشاً كثيراًفی هذاالباب۔(۱۹)

علامہ ابن کمال پاشا کی تقسیم وترتیب اگرچہ مشہور ہے؛ لیکن علی الاطلاق مقبول نہیں ہے۔

بس آپ یہ سمجھیے کہ طبقات الفقهاء الحنفيه سمجھنے کی یہ ایک کوشش ہے۔اس سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال یہ ایک اچھی روش ہے ان کے اس ترتیب پر بعض اہلِ علم نے خدشات ظاہر کی ہیں پس اس میں دورائے ہوسکتی ہیں۔(۲۰)

اب اس مشکل کے حل کے لیے درج ذیل مناہج زیر بحث لانا ضروری ہیں۔

۱- المنهج الاستغراقی: فقہ، اُصول فقہ اور تاریخ کی کتابوں کی جانچ پڑتال۔

۲-المنهج التحليلی: ان تمام معلومات کی تحلیل۔

۳- المنهج الاستنباطی: ان تمام معلومات سے نتیجہ نکالنا۔

ان کے بعد ان شخصیات کو صحیح سمجھنا پھر ان کو علمی ترتیب کے ساتھ پیش کرنا، ان کی تصنیفات اور مسائل پر گہری نظر رکھنا اور ان کے مراتب متعین کرنا اور عام علماء کے سامنے لانا ہر کسی کا کام نہیں؛ بلکہ یہ اُن حضرات کا کام ہے جو کئی صلاحیتوں کے مالک ہوں۔

جہاں تک طبقات میں افراد کی تعیین کی بات ہے وہ تو صدیوں سے چلی آرہی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ انھیں ختم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی دوسرے کو ختم یا مغلوب کرسکتا ہے۔ یہ اختلاف عقیدہ میں بھی ہے، شخصیات میں بھی ہے، فقہ اور شریعت میں بھی ہے اور رسوم وعبادات میں بھی ہے۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ یہ اختلافات کسی طرح ختم کیے جاسکتے ہیں تو وہ تاریخی پس منظر اور عوامل سے بے خبری کا اظہار کرتا ہے۔ یہاں صرف ہم تصادم کی راہ ہموار کرنے میں ایک راہ کی تعیین کرتے ہیں تاکہ اس کا سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے۔

نتیجہ

ان تمام تحفظات کا حاصل یہ ہے کہ یہ تقسیم اور درجہ بندی کئی خرابیوں پر مشتمل ہے۔(۲۱)

اور علامہ شامیؒ نے ''رسم المفتی'' میں بعینہٖ نقل کردیا ہے اور انھوں نے درجہ بندی کے ساتھ جن فقہاء کا نام متعین فرمایا ہے وہ حتمی نہیں ہے، ان میں کچھ آگے پیچھے بھی ہوسکتا ہے۔

بعض اہلِ علم نے جن میں علامہ عبدالحیٔ الکھنوی بھی شامل ہیں نے ''طبقات الفقہاء الحنفیہ'' کو تقدم زمانی کے لحاظ سے تین طبقات میں تقسیم کیا ہیں:

(۱) سَلف: علمائے احناف کی اصطلاح میں امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اجلۂ تلامذہ امام

ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ۔

(۲) خلف: امام محمد رحمہ اللہ علیہ المتوفی:۱۸۹ھ کے بعد سے شمس الائمہ حلوائیؒ المتوفی:۴۴۸ھ تک کے فقہاء۔

(۳) متأخرین: شمس الائمہ حلوانی کے بعد سے حافظ الدین البخاری المتوفی:۶۹۳ھ تک کے فقہاء۔ ان میں سے سلف کے آرا مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور ان ہی کی آرا کی روشنی میں طبقہ خلف نے اپنے اجتہادات کو اُمت کے سامنے پیش فرمایا ہے اور طبقہ متأخرین میں بعد کے آنے والے بہت سے مشہور فقہاء بھی شامل ہیں جو طبقہ سلف و خلف کے اقوال و اجتہادات سے بھرپور استفادہ کرتے رہے ہیں۔(۲۲)

علامہ ابن عابدین شامیؒ المتوفی:۱۲۵۲ھ نے علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا المتوفی:۹۴۰ھ کے حوالے سے ائمہ مجتہدین کے کل سات طبقات نقل فرمائے ہیں، ہم اولاً ان ساتوں طبقات کو نقل کردیتے ہیں، اس کے بعد کچھ تبصرہ بھی پیش کریں گے۔

طبقۂ اولیٰ: مجتہد فی الشرع یا مجتہد مطلق، یعنی وہ ائمہ مجتہدین جو اصولی قواعد کی بنیاد ڈالنے اور ادلۂ اربعہ سے فروعی احکام کے استنباط کرنے میں کسی کی تقلید نہیں کرتے، جیسے ائمہ اربعہ، امام اوزاعیؒ، امام ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوریؒ وغیرہ ہیں۔ یہ حضرات قواعد استنباطِ احکام کے طریقۂ کار میں خودمختار ہوتے ہیں۔

طبقۂ ثانیہ: مجتہد فی المذہب یا مجتہد منتسب، جو ادلۂ اربعہ سے امام اعظمؒ کے مقرر کردہ اصول کے مطابق احکام کا استنباط کرتے ہیں، اصول میں امام اعظمؒ کی مخالفت نہیں کرتے؛ البتہ فروعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں، جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفرؒ وغیرہ ہیں۔ یہ حضرات فروعی مسائل میں خودمختار ہوتے ہیں۔

طبقات فقہائے حنفیہ کی کتابیں تعداد میں متفق نہیں ہیں؛ تاہم اس بات پر متفق ہے کہ امام محمد دوسرے طبقے میں شمار ہوتے ہیں یعنی مجتہد فی المذہب اور مجتہد مطلق نہیں ہے۔

طبقۂ ثالثہ: مجتہد فی المسائل: یہ حضرات مسائل کا استنباط مقررہ اصول کے مطابق کرتے ہیں، جن کے بارے میں مجتہدین فی الاصول اور مجتہد فی المذہب کی طرف سے کوئی صراحت نہیں ہے، یہ لوگ مسائل کے استنباط میں اصول وفروع کسی میں بھی مجتہد مطلق اور مجتہد منتسب کی مخالفت نہیں کرتے، جیسے: امام احمد بن عمر الخصاف، امام طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی،

فخر الاسلام بزدوی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

طبقۂ رابعہ: اصحاب التخریج: یہ حضرات اجتہاد کرنے پر تو قادر نہیں؛ لیکن تمام اصول کو ضبط واحاطہ کرنے کی وجہ سے اور مسائل کے مآخذ پر واقف ہونے کی بنا پر متعدد جہات والے مسائل کی تفصیل پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے: امام ابوبکر جصاص رازیؒ اور ان کے ہم پلّہ حضرات ہیں۔

طبقۂ خامسہ: اصحاب الترجیح: یہ حضرات بعض مسائل کو بعض پر ترجیح دینے پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے امام ابوالحسن قدوریؒ اور امام مرغینانی صاحب ہدایہؒ، یہ حضرات کہا کرتے ہیں: "ھذا صحیح"، "ھذا اولیٰ"، "ھذا اصح"، "ھذااوفق للناس"۔

طبقۂ سادسہ: اصحاب التمییز: یہ حضرات ظاہر الرّوایہ، نادرالرّوایہ، نازل الرّوایہ، واقعات، فتاوی، اقوی اور اضعف وغیرہ کے درمیان فرق کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے: اصحاب متون معتبرہ، صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب مجمع، صاحبِ وقایہ، صاحب نقایہ وغیرہ۔

طبقۂ سابعہ: جو کھرا کھوٹا اور باب احکام میں دائیں کو بائیں سے امتیاز کرنے پر قدرت نہیں رکھتے، جیسے: اس زمانۂ انحطاط میں جو اصحابِ زبان واصحاب قلم کہلائے جاتے ہیں، ان کی زبان وقلم کا اعتبار بغیر حوالہ کے ہرگز معتبر نہیں ہے۔(۲۳)

علامہ عبدالحی لکھنوی نے مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں اور سید امیر علی نے مقدمہ عین الہدایہ میں اور علامہ کفوی نے کتاب "کتائب الاعلام الاخیار من فقھاء مذھب النعمان المختار" سے فقہا کی مذکورہ بالا طبقاتی تقسیم دوسری طرح نقل کی ہے۔ "یعنی علی خمس طبقات" لیکن ان دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں؛ کیوں کہ کفوی نے دو قسموں کو بیان نہیں کیا ہے۔ ایک پہلی قسم یعنی مجتہد مطلق اور ایک آخری قسم یعنی مقلد محض و عامی، اگر دونوں کو ذکر کرتے تو ان کے یہاں بھی سات قسمیں ہوجاتیں، صاحب عین الہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ کل سات طبقات ہوئے ایک مجتہد مطلق، پھر پانچ وہ طبقے جو کفوی نے ذکر کیے پھر ساتواں طبقہ جو ابن کمال پاشا نے بڑھایا ہے، ان میں سے اول ودوم وسوم طبقات تو اجتہاد کے ہیں اور باقی طبقات مقلدین کے ہیں؛ یہاں تک کہ ساتواں طبقہ بالکل بے تمیز مقلدوں کا ہے۔(۲۴) یہ ایک اصولی مسئلہ ہے کہ معاصر فقہی مسائل کے حل میں پیش پیش رہتا ہے۔

طبقات قاضی الصیمری:

اب قاضی صیمریؒ جو مؤسس طبقاتِ حنفیہ ہیں، ان کے بیان کے مطابق اس کی تفصیل دیکھیں:

۱-مجتہدین فی الشرع

۲-مجتہدین فی المذہب

۳-اصحاب ابی یوسف، زفر اور محمد بن الحسن رحمہم اللہ

امام ابو یوسف، اور محمد بن الحسن دونوں کے شاگرد

ا-ابوسلیمان موسی بن سلیمان الجوز جانی، ابوعبداللہ محمد بن سماعہ اور ہشام بن عبیداللہ الرازی۔

ب-صرف امام ابو یوسف کے شاگرد

الحسن بن مالک، ابوالولید بشر بن الولید الکندی، بشر بن غیاث المریسی اور ابراہیم بن الجراح

ج-امام ابو یوسف اور امام زفر کے شاگرد

ہلال بن یحی معروف بہ ہلال الرای

صرف امام زفر کے شاگرد

محمد بن عبداللہ الانصاری اور عبیداللہ بن عبدالمجید الحنفی

صرف امام محمد بن الحسن کے شاگرد

موسی بن نصر الرازی، محمد بن مقاتل الرازی

۴- وممن تاخرعن هذه الطبقة

ابوبکر احمد بن عمرو الخصاف، ابوالعباس احمد بن عیسی البرنی القاضی، ابوجعفر احمد بن عمران استاذ امام ابوجعفر الطحاوی اور ابوعلی الدقاق۔

۵- ومن المتاخرين عن هذه الطبقة

ابوحازم عبدالحمید بن عبدالعزیز القاضی، ابوسعید احمد بن الحسین البرذعی ان دونوں کے بعد بغداد میں تدریس کی ذمہ داری ابوالحسن عبیداللہ بن الحسین الکرخی نے سنبھالی۔

اوران سے پیدائش میں پہلا امام ابوجعفر الطحاویؒ ہے اور ابوعمرو الطبری بھی ہے اوران کے ساتھ تدریسی خدمات میں ابوعبداللہ بن ابی موسیٰ الضریر جس کا نام محمد بن عیسی ہے، وہ بھی شامل ہے۔ ابوبکر الدمغانی، ابومحمد بن عبدک، ابوعبداللہ الحسین بن علی الضریر، ابوبکر بن شاہویہ، ابوسہل الزجاجی، ابوالحسین قاضی الحرمین اور ابوزکریا یحی بن محمد الضریر البصری ہے۔(۲۵)

اب ان کے درمیان ببلیوگرافی سے باآسانی معلوم ہوجاتا ہے کہ علامہ ابن کمال باشانے ان پانچ طبقوں میں کن کن شخصیات کو لیا؟

اب! قاضی صیمری ؒ نے اصلاً پانچ قسمیں ذکر کیں یعنی سلف وخلف کا تذکرہ جن کا دور 448ھ تک رہا۔ پہلے تین طبقے مجتہدین کے ہیں اس کے بعد متاخرین کا سلسلہ جو اصحاب التخریج، اصحاب الترجیح اور اصحاب التمیز کا ہے یہ حضرات قاضی صیمری ؒ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

نتیجہ: ہر علم کے خدمت کرنے والے زمانے کے اعتبار سے مقدم اور مؤخر ہیں پہلے والوں کو متقدمین اور بعد والوں کو متاخرین اور ہم عمر کو معاصرین کہتے ہیں۔ اہل علم نے خدمات کے اعتبار سے ہر ایک کی درجہ بندی مقرر کی ہے۔ اسی کو طبقات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرات علمائے کرام عام طور پر اہل علم کے درمیان طبقات بناتے ہیں؛ کیوں کہ ثقاہت اور اعتماد کے لحاظ سے سب ایک درجہ کے نہیں ہیں۔ پس ہر ایک کے ساتھ اس کے مرتبے کے مطابق پیش آنا چاہیے اور دلیل یہ ہے:

(۱) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ.[۲۶][۲۷]

(۲) قال رسول الله ﷺ: "أنزل الناس منازِلَهم من الخير والشر، وأحْسِنْ أَدَبَهُمْ على الأخلاق الصالحة".[۲۸]

اچھے اور برے لوگوں کو ان کے مقام پر بٹھاؤ اور انھیں حسنِ اخلاق کی تعلیم دو۔

(۳) مراتبُ الرجال بالفضل والكمالِ لا بتقادم الأزمنة والرجال.[۲۹]

(۴) إن العلماء معظمون لعلمهم.

علمائے کرام کی عظمت ان کی علم کی وجہ سے کی جاتی ہیں۔

یہ تقسیم ودرجہ بندی فضل وکمال کے اعتبار سے ہے، تقدم زمانی اور اَفراد کے اعتبار سے نہیں؛ کیوں کہ عموماً یہی دیکھنے میں آتا ہے، اگر کوئی شخص ایک پہلو پر کما حقہ کمال رکھتا ہے تو دوسرے پہلو پر اس کی علمیت محدود ہوتی ہے۔

نیز کتب فقہ سے استفادہ کرنے والوں کے لیے اساسی طور پر طبقات کا معلوم کرنا بہت ضروری ہے تاکہ مفتی کو فتویٰ دیتے وقت کتب فقہ کے درجات کی طرف رجوع آسان ہوجائے اور اس درجہ بندی کی وجہ سے قارئین میں ایک تازہ روح پیدا ہوجائے اور مجتہدین، اصحاب، الترجیح اور اصحاب التمیز میں ایک خط امتیاز کھنچ جائے۔

حواشی

(۱) قاضی صیمری ؒ کی اخبار ابی حنیفہ واصحابہ رضی اللہ عنہ وعنہم کے دیگر کتابیں اب تک زیور طبع سے آراستہ ہوکر اہل علم کے سامنے آئی

ہے۔ شرح مختصر الطحاوی مخطوط وھو فی عدۃ مجلدات ـمسائل اصول فی اصول الفقہڈاکٹرسائدبکداش نےاس کتاب کےمقدمہ میں تذکرہ کیا ہے۔

(۲) عام طریقہ نام لکھنے کا یہ ہے کہ بس صرف نام لکھا جائے تلفظ جس طرح بھی کیا جائے؛ لیکن علمی حلقوں میں صحیح تلفظ کے لیے اعراب اور یہ طریقہ اختیار کیا جائے اور یہ قرین قیاس ہے۔

(۳) (الجواھر المضیئة فی طبقات الحنفیة :1/ 165)، الطبقات السنیة فی تراجم الحنفیة :ص:255)

(۴) حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی:513،البرھان پبلشرز لاہور سن اشاعت 2011)

(۵) ان کے بعد سے آج تک عملاً کوئی اضافہ نہ ہوسکا۔ بعد کی کتابیں یا تو محض ان کا اعادہ ہے یا اس کی تلخیص اور ترجمہ ہے۔

(۶) أخبارأبی حنیفه وأصحابه رضی اللّٰه عنه وعنهم:173 ناشرعالم الکتب بیروت، طبع دوم سنه،1985ء

(۷) تدوین فقہ واصول فقہ:206

(۸) أخبارأبی حنیفه وأصحابه رضی اللّٰه عنه وعنهم، ناشر عالم الکتب بیروت، طبع دوم سنه،1985ء

(۹) من مؤلفاته: تفسیر للقرآن لم یتمه، حواش علی تفسیر الکشاف، تجرید التجرید فی علم الکلام، المعانی والبیان، کتاب فی الفرائض، حواش علی شرح المفتاح للسید الشریف الجرجانی، وحواش علی التلویح وغیرها: شذرات الذھب 8/ 238، الأعلام 1/ 133. مخطوطة فی معھد الدراسات الإسلامیة العلیا ببغداد. ذکر ذلك د. محمد عبد اللطیف الفرفورفی کتابه الوجیز فی أصول الاستنباط: ص 534

(۱۰) قال سرکیس وله مولفات تزیدعلی مئة وخمسة وعشرین 125 تک گنے ہیں۔ مھمات المفتی فی فروع الحنفیه لابن کمال باشاؒ مقدمه المحقق عبد اللّٰه بن عبد العزیز العمار: ص 26، دارالکتب پشاور

(۱۱) علامہ طحطاوی نے حاشیہ طحطاوی صفحہ 6اوراس سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اُصول الافتاء وآدابہ میں وقف البنات کے نام سے ذکر کیا ہے، جوخطا ہے۔

(۱۲) یہ کتاب مجید خلف کے تحقیق کے ساتھ مجموعۃ الرسائل کے ضمن میں پانچ نمبر پر دارالکتب پشاور سے بدون تاریخ بیروت کی تصویر لے کر طبع کیا۔

(۱۳) التحقیق الباھرشرح الاشباہ والنظائر لابن نجیم، مقدمه الدکتوراسامه بن محمدشیخ :ص8

(۱۴) امام زاھدالکوثری حسن التقاضی فی سیرۃ الامام أبی یوسف القاضی: ص221 عنوان "تعقّب الشھاب المرجانی لکلام ابن الکمال فی طبقات الفقھاء" تحقیق ڈاکٹرحمزہ محمدوسیم البکری دارالکتب پشاور

(۱۵) ابوحنیفہ وحیاتہ للامام ابی زہرہ:440–455

(۱۶) المتانة فی مرمّة الخزانة :65/1، دارالکتب بشاور

(۱۷) ارشاد اھل الملة الی اثبات الاھلة: ص363

(۱۸) اصول الافتاء وآدابه: ص81

(۱۹) التقسیم الزمانی لطبقات المجتهدین عند الحنفیة لأبی الحاج صلاح محمد سالم:ص5

(٢٠) قاضی صیمریؒ جو محمد بن موسیٰ کے شاگرد ہے۔ اس کی طبقات حنفیہ پر بہترین کتاب ہے، یہ بات علامہ ابن جوزی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، سید مناظر احسن گیلانی: ٥٥٨

(٢١) التصحیح والترجیح علی القدوری، مقدمة المحقق ضیاء یونس: 26 طبع مکتبہ حقانیہ پشاور

(٢٢) الفوائد البهية: ٢٤١ بحواله مقدمه المحیط البرهانی 1:/17،18

(٢٣) مقدمہ ایضاح الطحاوی: ١/٥٠ بتصرف

(٢٤) غایۃ السعایۃ: ١١٧

(٢٥) أخبار أبی حنیفہ وأصحابہ: 155-173

(٢٦) الصحیح البخاری: 3650

(٢٧) معرفة طبقات الصحابة:

يستشهد على هذا بقوله عليه السلام: "خيرُ القرون قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم" فذكر بعد قرنه قرنين أو ثلاثة وذلك أمر اصطلاحي: فمن الناس من يرى الصحابة كلهم طبقة واحدة، ثم التابعون بعدهم كذلك. ومن الناس من يقسم الصحابة إلى طبقات، وكذلك التابعين فمن بعدهم ومنهم من يجعل كل قرن أربعين سنة. ومن أجلّ الكتب في هذا طبقات محمد بن سعيد كاتب الواقدي. وكذلك كتاب التاريخ لشيخنا العلامة أبي عبد الله الذهبي وله كتاب طبقات الحفاظ، مفيداً أيضاً جداً. (الباعث الحثيث إلى اختصار علوم الحديث :245)

(٢٨) (سنن أبي داود ت الأرنؤوط باب في تنزيل الناس منازلهم:4842)

(٢٩) مجموعة الرسائل للكهنوي:5/3، سنه طبع 1382 انتشارات شيخ الاسلام ايران

* * *

مولانا ادریس کاندھلویؒ کی تفسیر معارف القرآن

از: مولانا فضل الرحمٰن اصلاحی (۱)
فاضل دارالعلوم دیوبند

شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ علمائے دیوبند میں ایک ممتاز عالم دین کی حیثیت سے معروف ہیں۔ تفسیر ''معارف القرآن'' مشکوۃ کی مشہور عربی شرح "التعلیق الصبیح علیٰ مشکوۃ المصابیح" اور ''سیرت مصطفیٰ''وغیرہ جیسی اہم کتابوں کے وہ مصنف ہیں۔

مولانا کاندھلویؒ کا تعلق کاندھلہ(۲) ضلع شاملی کے ایسے علمی خانوادے سے تعلقِ خاطر رہا ہے، جس نے گزشتہ تین صدیوں سے نمایاں دینی خدمات انجام دی ہیں۔ وہ ۱۲/ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ بمطابق ۲۰/اگست ۱۸۹۹ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد مولانا حافظ محمد اسماعیل کاندھلوی محکمۂ جنگلات میں وہاں افسر تھے۔ نیز ان کے والد ایک صاحب نسبت بزرگ تھے اور حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے مرید تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے آپ مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت تھے۔(۳)

خاندانی روایات کے مطابق کاندھلہ میں انھوں نے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد ان کے والد نے مولانا تھانویؒ کے مدرسہ ''مدرسہ اشرفیہ'' تھانہ بھون میں ان کا داخلہ کرایا اور درس نظامی کی ابتدائی کتابیں انھوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے پڑھیں۔ پھر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں تفسیر وحدیث، فقہ کلام، منطق وفلسفہ اور دیگر علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ ۱۹ برس کی عمر میں تمام علوم وفنون کی تعلیم سے فراغت حاصل کی؛ لیکن اس کے بعد مزید علوم حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، وہ دارالعلوم کا زریں دور تھا؛ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا درس حدیث بہت مقبول تھا۔

مشہور اساتذہ

مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری، علامہ

شبیر احمد عثمانی، حافظ عبداللطیف، مولانا ثابت علی، عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا اصغر حسین دیوبندی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

تدریسی خدمات

۱۹۲۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے ''مدرسہ امینیہ'' دہلی میں ایک سال مدرس رہے۔اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کے ارباب حل وعقد کی دعوت پر دیوبند تشریف لائے۔اس کم عمری میں مادرِ علمی میں تدریسی خدمت انجام دینا ایک بڑا اعزاز تھا۔ابتدا ہی سے آپ کی اعلیٰ صلاحیت کو دیکھتے ہوئے اہم کتابیں آپ کے سپرد کی گئیں، مثلاً: الہدایۃ اور مقامات حریری جیسی کتابیں پہلے سال ہی آپ کو پڑھانے کے لیے دی گئیں۔اسی دوران آپ نے دارالعلوم کے ''نودرہ''(۴) میں روزانہ فجر کی نماز کے بعد درس قرآن دینے کا اہتمام کیا، جس میں طلبہ کے علاوہ بعض اساتذہ بھی شریک ہوتے تھے۔اسی موثر درسِ قرآن کی بدولت جلد ہی بیضاوی اور تفسیر ابن کثیر پڑھانے کی بھی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی۔اس طرح نے انھوں نے پہلی بار دارالعلوم دیوبند میں کم وبیش نو سال تدریسی خدمات انجام دی، اور ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے ترکِ تعلق کر کے حیدرآباد سے وابستہ ہوگئے۔(۵)

حیدرآباد دکن میں قیام

یہاں پر قیام کے دوران انھوں نے بعض اہم علمی کارنامے انجام دیئے۔مثلاً: مشکوٰۃ کی شرح "التعلیق الصبیح علیٰ مشکوۃ المصابیح" تحریر کی۔ایسے ہی وہاں دوران قیام ''کتب خانہ آصفیہ'' کے بعض نادر مخطوطات سے استفادہ کیا۔اس میں حافظ تورپشتی کی ''المفاتیح شرح مصابیح'' سب سے اہم مخطوطہ ہے، جو دنیا میں صرف اسی کتب خانہ میں موجود ہے۔جس سے آپ نے التعلیق الصبیح میں استفادہ کیا۔اور اس کے علاوہ اپنی مشہور کتاب ''سیرۃ المصطفیٰ'' میں بعض مقامات پر اس کے حوالے دیے ہیں۔(۶)

دارالعلوم دیوبند سے دوبارہ وابستگی

قاری محمد طیب صاحب جب دارالعلوم کے مہتمم ہوئے تو انھوں نے مولانا کاندھلویؒ کو بحیثیت شیخ التفسیر دوبارہ دارالعلوم آنے کی دعوت دی، تو انھوں نے اسے قبول کیا۔اور ۱۹۳۹ء میں حیدرآباد کے بڑے مشاہرے کو چھوڑ کر مادر علمی کی خدمت کو ترجیح دی۔اس کے بعد وہ دارالعلوم میں مزید دس سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے۔

پاکستان ہجرت

وہ دسمبر ۱۹۴۹ء میں ریاست بھاول پور کی دعوت پر پاکستان آ گئے اور جامعہ بھاول پور میں بحیثیت شیخ الجامعہ تدریسی خدمات کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔ وہاں کا ماحول انھیں راس نہیں آیا تو وہاں سے جلد مستعفی ہوکر جامعہ اشرفیہ لاہور سے ۱۹۵۱ء میں وابستہ ہو گئے۔ اور پھر تا حیات یہاں سے وابستہ رہے۔(۷)

وفات

مولانا کاندھلویؒ نے بھر علمی زندگی گزاری اور بالآخر وہ ۸؍رجب المرجب ۱۳۹۴ھ بمطابق ۲۸؍جولائی ۱۹۷۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، آپ کی نماز جنازہ آپ کے بیٹے مولانا محمد مالک کاندھلوی نے پڑھائی۔

تصانیف

مولانا کاندھلویؒ نے مختلف موضوعات پر متعدد اہم علمی کتابیں لکھی ہیں، ان میں درج ذیل زیادہ قابل ذکر اور معروف ہیں:

۱- تفسیر معارف القرآن(۸) (۲۲ پارے) دوسرے اہل علم بھی قرآن کی تفسیر اسی نام سے لکھی ہیں؛ اس لیے مولانا کاندھلوی نے اپنی تفسیر کا نام ''معارف القرآن ادریسی'' رکھا ہے؛ تاکہ امتیاز باقی رہے۔ اس میں علوم و معارف کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس تفسیر کی چند بنیادی خصوصیات یہ ہیں کہ اس میں مطالب قرآنیہ کی توضیح وتشریح، ربط آیات، احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ وتابعین کا التزام کیا گیا ہے اور ساتھ ہی باطل ادیان کے شکوک وشکوک کا ازالہ کیا گیا ہے۔

۲- التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح (عربی)، (۸ جلدیں) یہ علامہ خطیب البغدادی کی مشہور کتاب ''مشکوۃ المصابیح'' کی عربی شرح ہے۔ مولانا نے اپنی زندگی میں دمشق جا کر بڑے اہتمام سے اس کی چار جلدیں شائع کرائیں، اور بعد میں بقیہ جلدیں پاکستان سے شائع ہوئیں۔

۳- سیرت المصطفیٰ ﷺ (۳ جلدیں) مولانا کاندھلویؒ کی تمام کتابوں میں اس کتاب کو علمی دنیا میں زیادہ شہرت ہوئی، شہرت کی غالباً ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ اس میں متعدد مقامات پر علامہ شبلی نعمانی کی شہرہ آفاق کتاب ''سیرۃ النبی ﷺ'' پر ناقدانہ نگاہ ڈالی گئی ہے۔ مثلاً غزوۂ بدر وغیرہ۔

مولانا تھانویؒ نے سیرت المصطفیٰ کی اہمیت کے پیش نظر لکھا ہے کہ جو شخص اردو کی ضروری استعداد رکھتا ہو، کتاب مذکور کے مطالعہ یا درس سے محروم نہ رہے۔(۹)

۴-احسن الحدیث فی ابطال التثلیث: اس میں عیسائیوں کے نظریۂ تثلیث پر تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و بشریت کو ثابت کیا گیا ہے۔

۵-الکلام الموثوق فی اَنّ کلام اللہ غیر مخلوق: اس میں قرآن مجید کو کلام الٰہی اور اسے غیر مخلوق ثابت کے لیے بھرپور دلائل فراہم کیے گئے ہیں۔

۶-عقائد اسلام: اس میں دین اسلام کے بنیادی عقیدے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ اپنے موضوع پر اردو میں ایک منفرد اور ممتاز کتاب ہے۔

۷-علم الکلام: اس میں اسلام کی خصوصیات، قیامت کے حالات، جنت وجہنم، عالم برزخ، اور حوض کوثر پر مدلل گفتگو کی گئی ہے۔

۸-خلافت راشدہ: اس کتاب میں صحابہ کی عظمت پر ایمان لانے کو اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل کیا گیا اور خلافت راشدہ پر علمی بحث کی گئی ہے۔

۹-حجیت حدیث: یہ منکرین حدیث کے تعاقب ایک مسکت جواب ہے اور اس میں حدیث کی قطعیت، اس کی حجیت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

۱۰-تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری: یہ بخاری شریف کے مشکل مقامات کی تین جلدوں میں عربی میں شرح ہے۔ یہ ''المکتبہ العثمانیۃ'' لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

ان کے علاوہ مولانا کاندھلویؒ کی یہ کتابیں بھی لائق مطالعہ ہیں۔ مثلا: دلائل الفرقان علی مذہب النعمان (عربی) اعجاز القرآن، لطائف الحکم فی اسرار نزول عیسی بن مریم، اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف، اور مقدمۃ الحدیث وغیرہ۔

دیگر اہم کارنامے

مولانا کاندھلویؒ نے کراچی سے خیبر تک تبلیغی دورے کیے اور اعلائے کلمۃ الحق بلند کیا۔ تحریک ختم نبوت ﷺ میں بھرپور حصہ لیا اور تحریر وتقریر کے ذریعہ قادیانیت کی تردید کرتے رہے۔ بے شمار مسلمانوں کی اصلاح آپ کی ذات سے ہوئی۔ اور آپ نے بھی دیگر ممتاز علماء علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ وغیرہ کی طرح آخری دم تک پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے لیے کوششیں کرتے رہے۔

تفسیر لکھنے کی غرض وغایت

مولانا کاندھلویؒ مولانا تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن سے کافی متاثر تھے؛ اس لیے اسی طرز پر

اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' لکھنے کی کوشش کی ہے۔مولانا کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''ضرورت اس کی ہوئی کہ بیان القرآن کے طرز پر ایک ایسی تفسیر لکھی جائے جو مطالبِ قرآنیہ کی توضیح وتشریح اور ربط آیات کے علاوہ قدرے احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ وتابعین پر اور بقدر ضرورت لطائف ومعارف اور نکات اور مسائل مشکلہ کی تحقیقات اور ملاحدہ وزنادقہ کی تردید اور ان کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات پر بھی مشتمل ہو؛ تاکہ کلام خداوندی کی عظمت وشوکت اور اس کی جامعیت اور اس کے اعجاز کا کچھ نمونہ نظروں کے سامنے آجائے۔پھر یہ کہ وہ ترجمہ اور تفسیر سلف صالحین کے مسلک سے ذرّہ برابر ہٹا ہوا نہ ہو۔[۱۰]

ترجمہ وتفسیر کے چند نمونے

سورۃ الفاتحۃ کا ترجمہ: سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہاں کا۔[۱۱] بہت مہربان نہایت رحم والا۔مالک انصاف کے دن کا۔تجھ ہی کو ہم بندگی کریں اور تجھ ہی سے مدد چاہیں؛ چلا ہم کو راہ سیدھی راہ؛ ان کی جن پر تو نے فضل کیا۔نہ جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے۔

سورۃ الفاتحۃ کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا کاندھلویؒ نے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ قرآن مجید کی آخری سورہ یعنی سورۃ الناس میں ''ملک الناس'' آیا ہے؛ اس لیے قرآن کی پہلی سورہ یعنی سورۃ الفاتحہ میں ''مَلک یوم الدین'' پڑھنا چاہیے؛ تاکہ اول وآخر قرآن میں ایک دوسرے کے مناسب اور ہم رنگ ہوجائے۔[۱۲]

ایسے ہی الرحمٰن الرحیم کے متعلق چند نکات لکھے ہیں، جو لائق توجہ ہیں:

۱- عجب نہیں کہ بسم اللہ میں وہ شانِ رحمت مراد ہو کہ جو تکوین اور تربیتِ عالم کے لیے باعث ہوئی۔اور الرحمٰن سے وہ رحمت مراد ہو کہ جو خاص حالت تربیت میں مبذول ہوتی ہے۔اگر یہ تربیت روک لی جائے تو تربیت اور پرورش ناممکن ہوجائے۔

۲- اور الرحیم سے وہ رحمت مراد ہو کہ جو تربیت اور پرورش کے بعد جزا اور سزا کی شکل میں ظاہر ہوگی۔

۳- امام رازی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ الرحمٰن، الرحیم کا تکرار اس کی رحمت کے مکرر ومضاعف ہونے کی طرف اشارہ ہے، مبادا یہ فراوانی کہیں بندوں کو مغرور نہ بنادے تو اس کے لیے مالک یوم کا اضافہ فرمایا؛ تاکہ رغبت کے ساتھ رہبت کا ضروری ہونا معلوم ہوجائے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے غافر الذنب وقابل التوب کے بعد شدید عقاب کی صفت کا ذکر کیا ہے۔[۱۳]

نیز سورہ فاتحہ کی تفسیر کے ذیلی عناوین پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے اس تفسیر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلا: سورہ فاتحہ کی تفسیر، اسمار سورہ فاتحہ، استعاذہ، خلاصہ، مالک اور ملک کی وجوہات ترجیح، سوال در بارہ استعانت بغیر اللہ و جواب، ہدایت کا معنی اور صراط مستقیم کی وضاحت، اسرار مجموعہ سورت فائدہ (ختم فاتحہ پر آمین کا حکم)، صلوٰۃ مسلمین وصلوٰۃ نصاریٰ کا تقابل۔

لَا رَيْبَ فِيهِ

ترجمہ: اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔

اس کے بعد فائدہ کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔ اس کے تحت مولانا نے ''ذلک'' اسم اشارہ لانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ذلک'' کا اشارہ اس کتاب کی طرف ہے کہ جس کی انبیار سابقین خبر دیتے چلے آئے تھے یعنی یہ وہی کتاب ہے، جس کی خبر کتب سابقہ میں دی گئی ہے۔(۱۴)

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. (البقرة:۳۸)

اس موقع پر اهْبِطُوا جمع کا صیغہ لانے کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

اهْبِطُوا کا خطاب حضرت آدم علیہ السلام اور حوار علیہا السلام کو ہے، جیسا کہ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا بصیغہ تثنیہ وارد ہوا ہے؛ چونکہ حضرت آدم ابوالبشر اور حضرت حوار ام البشر علیہا السلام ہونے کی وجہ سے تمام بنی نوع انسان کے قائم مقام ہیں؛ اس لیے اس جگہ قُلْنَا اهْبِطُوا میں حضرت آدم وحوار کو صیغۂ جمع کے ساتھ مخاطب فرمایا۔(۱۵)

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ (آل عمران:۸۱)

ترجمہ: اور جب لیا اللہ نے اقرار نبیوں کا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا، کتاب اور علم پھر آوے تم پاس کوئی رسول کو سچ بتادے تمہارے پاس والی کو تو اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کہ تم نے اقرار کیا؟ اور اس شرط پر لیا میرا ذمہ؟ بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب شاہد رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ شاہد ہوں۔

اس موقع پر پہلے مولانا کاندھلویؒ نے ربط آیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گزشتہ آیت میں یہ بتایا کہ عبادت اور بندگی خاص اللہ کا حق ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی نبی اپنی بندگی کی تعلیم دے۔ اب

اس آیت میں اس بات پر زور دیا جارہا ہے کہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور بے چون و چرا ان کی اطاعت کریں اور ہر قسم کی ان مدد کریں۔ اور پھر یہ تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ پختہ عہد کے بعد روگردانی کرنا صریح فسق ہے۔(۱۶)

اور ایسے سورۃ الاعراف کی درج ذیل آیات کا ترجمہ وتفسیر اس انداز میں کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ(۱۰) وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ(۱۱) قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ(۱۲)

ترجمہ: اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر صورت دی پھر کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کیا؛ مگر ابلیس نہ تھا سجدہ والوں میں کہا تجھ کو کیا مانع تھا کہ سجدہ نہ کیا جب میں نے فرمایا؟ بولا: میں اس سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا خاک سے۔

اس کے بعد مذکورہ آیات سے جو نکات مترشح ہو رہے تھے، اس کو یوں بیان کیا گیا ہے:

۱- ہم نے تمہیں زمین میں قابض بنایا کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو۔

۲- تمہاری زندگی کی چیزیں زمین میں پیدا کیں کہ ان سے ہمارے نازل کردہ قانونِ شریعت کے ماتحت نفع حاصل کرو۔

۳- تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو یہ شرافت عطا کی زمین میں ان کو اپنا خلیفہ بنایا اور تمام فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا۔

۴- شیطان کو اس کی سرکشی کی وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا، کیوں کہ اس نے حکم خداوندی کا انکار کیا اور یہ تمہارا قدیمی اور ازلی دشمن ہے؛ اس لیے اس سے ہمیشہ ہوشیار رہنا۔(۱۷)

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ(سورۃ الانفال: ۴۱)

ترجمہ: اور جان رکھو کہ جو غنیمت لاؤ کچھ چیز سو اللہ کے واسطے، اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے اور قرابت والے اور یتیم کے اور محتاج کے اور مسافر کے، اگر تم یقین لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر، جس دن فیصلہ ہو جس دن بھڑیں دو فوجیں اور سب چیز پر

قادر ہے۔

مذکورہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے پہلے ربط آیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کیوں کہ شروع سورہ میں انفال یعنی غنائم کا ذکر ہوا۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ قُلِ الْأَنفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (الانفال:۱)

اور ایسے ہی اسی سورہ کی آیت ۳۹ میں قتال کا ذکر ہے: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ.

اس کے بعد مولانا کاندھلوی مذکورہ آیت وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔

اس کے بعد یہ نکتہ لکھا ہے کہ یہ آیت گزشتہ آیت کی تفصیل اور بیان ہے، اور ناسخ نہیں، غنائم کا جو حکم قُلِ الْأَنفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ (الانفال:۱) میں مجمل تھا۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۱۰) وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (۱۱)

سورۃ الجمعہ کی مندرجہ بالا آیات کے ضمن میں جو نکات بیان کیے ہیں، وہ لائق مطالعہ ہیں۔ پہلے ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

ترجمہ: پھر جب تمام ہو چکے نماز، تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا، اور یاد کرو اللہ کو بہت سا شاید تمہارا بھلا، اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا، کھنڈ جاویں اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جاویں کھڑا، تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے بہتر تماشے سے، اور بہتر ہے روزی دینے والا۔

مولانا کاندھلویؒ نے ان مذکورہ آیات کی تفسیر میں دیگر آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ سے استفادہ کیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ جب نماز پوری ہوجائے تو اہل ایمان کو حکم ہے کہ روزی کی تلاش میں زمین میں پھیل جاؤ، اور کاروبار میں مصروف ہوجاؤ، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، امید ہے کہ تم کامیاب ہوگے؛ لیکن اگر اس کے برعکس اگر دنیا کی محبت میں کاروبار کی منفعت کی امید میں تم اللہ کے ذکر اور جمعہ کے خطبہ وحاضری کو چھوڑو گے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس میں دنیا وآخرت کا خسارا ہے۔

روایات میں ہے کہ آپ ﷺ ایک بار جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی وقت باہر سے کوئی تجارتی قافلہ آپہنچا، اس زمانہ کے دستور کے مطابق بازار کے لوگوں نے نقارہ بجادیا۔ اس زمانہ میں

اتفاق یہ کہ شہر میں غلہ کی کمی تھی اور خطبہ کے احکام بھی معلوم نہ تھے، یہ خیال کیا کہ جیسے کسی وعظ ونصیحت کے دوران کسی ضرورت سے اٹھ کر چلے جانے کی گنجائش ہے، ایسے ہی خطبہ چھوڑ کر جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔[۱۸]

قرآن مجید نے صحابۂ کرامؓ کی یہ اہم صفت بیان کی ہے:

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (النور:۳۷)

اس ضمن میں چند باتیں قابل لحاظ ہیں:

۱- یوم جمعہ قدیم تاریخ قبل از اسلام میں ''یوم العروبہ'' کہلاتا تھا، اسلام نے اس دن کا نام ''یوم الجمعہ'' رکھا۔ یہ لفظ جمع سے مشتق ہے، اس میں متعدد وجوہ سے جمعیت کا مفہوم پایا ہے۔ اس دن کی وجہ تسمیہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول ہے: انّ فيه جُمِعَتْ طينةُ ابيكم آدم[۱۹] یعنی اس روز تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی مٹی روئے زمین کے مختلف طبقوں کی جمع کی گئی۔

۲- ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسیؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا: یا سلمانُ مایوم الجمعۃ؟ اے سلمان یوم جمعہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا اللہ ورسولہ اعلم۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ نے تمہارے ماں باپ (آدم وحوا) کو جمع کیا تھا؛ جب کہ ان کو زمین پر اتار دیا گیا تھا۔[۲۰]

۳- نمازِ جمعہ کی اہمیت کے پیش نظر بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر جمعہ کے دن چھٹی نہ ہو، تو چھٹی جمعہ سے پہلے ہونی چاہیے؛ تاکہ جمعہ سے پہلے غسل وغیرہ کا موقع مل سکے؛ چنانچہ ڈاکٹر اسرار صاحب نے اسی ضمن میں لکھا ہے کہ جمعہ کے دن آدھی چھٹی اگر دینا ضروری ہے تو صبح کے وقت چھٹی دی جائے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

بہر حال جمعہ کے دن ''شرعی مصروفیت'' صرف نماز جمعہ کی ادائیگی تک ہی ہے، اس کے بعد ہر کوئی اپنی دنیوی مصروفیات کے لیے آزاد ہے؛ اس لیے حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ جمعہ کے دن ''آدھی چھٹی'' قرآن مجید کے مذکورہ حکم کے مطابق کرے۔ یعنی جمعہ کے دن لوگوں کو آدھی چھٹی ضروری ہے تو یہ چھٹی صبح کے وقت ہونی چاہیے؛ تاکہ لوگ آسانی سے نماز جمعہ کی تیاری کریں، نماز ادا کریں اور نماز کے بعد معمول کے مطابق اپنے کام نپٹائیں۔[۲۱]

بعض سلف سے منقول ہے کہ جو شخص جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرے گا (یعنی جب کہ جمعہ

کے لیے اس نے اپنا کاروبار بند کردیا تھا) تو اللہ تعالیٰ اس کو ستر گنا نفع عطا کرے گا۔(۲۲)

تکملہ معارف القرآن

اس تفسیر کا آغاز شوال ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں ہوا تھا اور سورۃ الصافات کے اختتام پر مولانا کاندھلویؒ پہنچے ہی تھے کہ ان کی زندگی کا خود اختتام ہوگیا۔ اس کے بعد ان کے علمی جانشین اور ان کے لائق فرزند مولانا محمد مالکؒ نے معارف القرآن کا تکملہ لکھا اور اس میں انھوں نے اپنے والد کی طرز ادا اور منہج کا تتبع کیا ہے۔

اس طرح گویا اس تفسیر کا تین چوتھائی حصہ مولانا کاندھلویؒ کے قلم سے ہے، اور ایک آخری چوتھائی ان کے بیٹے مولانا مالکؒ نے تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر عبید اقبال عاصم نے اس تفسیر کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس تفسیر کی پہلی اشاعت ۱۴۱۹ھ، مطابق ۱۹۹۹ء میں لاہور سے ہوئی، جسے قارئین نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کے بعد ۲۰۰۲ء میں اس کی اشاعت ہندوستان سے ہوئی۔(۲۳)

راقم السطور کے پیش نظر زکریا بک ڈپو دیوبند ۲۰۱۴ء کا معیاری ایڈیشن رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس تفسیر کو ہندوستان میں اسے مکتبہ فرید بکڈ پوئی دہلی وغیرہ نے بھی شائع کیا ہے۔

مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے ''سورۃ المعوذتین'' کی تفسیر میں بہت سی لائق توجہ باتیں لکھی ہیں اور ان کی تفسیر میں حکما وعارفین کی تحقیق وتشریح بھی پیش کی ہیں۔ اس ضمن میں یہ اقتباس لائق مطالعہ ہے:

ان شیاطینِ انس کا وجود اور ظہور ہر زمانہ میں ہوتا ہے، خصوصاً زمانۂ اخیر میں ایسے مفسدین اور فتنہ پردازوں کی کثرت، احادیث رسول سے ثابت ہے کہ، ان میں ایسے خطرناک فتنہ پرداز ہوں گے، جن کے بارے میں آں حضرت ﷺ کا ارشاد کہ اگر میں ان کا زمانہ پالوں تو ان کو اس طرح ہلاک کروں گا، جیسے عاد وثمود کی قومیں ہلاک کی گئیں، جب دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ ان کی کوئی علامت اور نشانی ہمیں بتادیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ ہم ہی جیسے ہوں گے صورت وشکل میں ہماری جیسی ہی باتیں کرتے ہوں گے۔ ہماری جیسی زبان بولتے ہوں گے۔۔۔قرآن اپنی زبان سے پڑھتے ہوں گے؛ لیکن دین سے اس طرح قطعاً بے تعلق ہوں گے، جس طرح کوئی تیر نشانہ اور شکار سے خطا کرجائے اور بچ کر نکل جائے۔(۲۴)

ماخذ ومراجع

یہ تفسیر سلف صالحین اور علماء متاخرین کے علوم ومعارف کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ اس تفسیر کا کوئی نیا

ترجمہ نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔اس کے بعد متداول تفسیروں میں روح المعانی، تفسیر ابن کثیر، مولانا عبدالحق حقانیؒ کی تفسیر حقانی اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بیان القرآن وغیرہ اس تفسیر کا اہم مرجع ہیں۔مولانا سلف کے موقف سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے، جیسا کہ انھوں نے خود ہی لکھا ہے:

جب موقع ملا کچھ لکھ لیتا اور ارادہ یہ کیا کہ جس طرح صحابہ وتابعین اور سلف صالحین نے قرآن کریم سمجھا ہے۔بعینہٖ اسی طرح اس کو مسلمانوں تک پہنچایا جائے مغربیت اور عصریت کے نفسانی تقاضوں سے مرعوب ہوکر قرآن کریم کے مدلول اور مفہوم کو نہ بدلا جائے۔(۲۵)

* * *

حواشی

(۱) معاون رفیق دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

(۲) ہندوستان کے صوبہ یوپی قصبہ کاندھلہ کا نام بھی علمی دنیا میں علی گڑھ ودیوبند کی طرح عزت سے لیا جاتا ہے۔یہ دہلی سے ۶۴، اور سہارن پور سے ۶۵ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

(۳) https://ur.wikipedia.org/s/gims

(۴) دارالعلوم دیوبند کی اولین تاریخی عمارت کا نام ہے۔

(۵) مولانا ادریس کاندھلوی، معارف القرآن جلد اول زکریا بک ڈپو دیوبند ۲۰۱۴ء، ص ۲۰

(۶) حوالہ سابق ص ۲۰-۲۱ (۷) حوالہ سابق ص ۲۲

(۸) اس کے بعد اس کا تکملہ مولانا کے صاحب زادے مولانا محمد مالک کے قلم سے ہے۔

(۹) ص ۲۵ (۱۰) معارف القرآن جلد اول، ص ۳۴

(۱۱) مترجم گویدیعنی عالمِ انس وعالمِ جنّ وعالمِ ملائکہ وعلیٰ ھذا القیاس۔فتح الرحمٰن

(۱۲) حوالہ سابق ص ۴۹ (۱۳) حوالہ سابق ص ۴۸

(۱۴) معارف القرآن جلد اول، ص ۶۸ (۱۵) حوالہ سابق، ص ۱۳۷

(۱۶) حوالہ سابق، ص ۵۵۹ (۱۷) معارف القران، جلد سوم، ص ۳۷

(۱۸) معارف القرآن، جلد ۸، ص ۱۰۷-۱۰۸

(۱۹) الدرّالمنثور، بحوالہ معارف القرآن جلد ہشتم، ص ۱۰۸

(۲۰) ابن خزیمۃ، باب فی فضل یوم الجمعۃ، رقم: ۱۷۲۹

(۲۱) ماخذ سابق ص ۲۴۲ (۲۲) معارف القرآن جلد ہشتم، ص ۱۱۱

(۲۳) مولانا ادریس کاندھلویؒ، معارف القرآن ایک مطالعہ، پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن۔۔۔علی گڑھ، ۲۰۲۳ء، ص ۱۹۔

(۲۴) معارف القرآن جلد ہشتم، ص ۴۸۹ (۲۵) معارف القرآن جلد اول، ص ۳۵

* * *

رسول اکرم ﷺ کی تجارتی زندگی

از: مولانا غلام اکبر لاشاری
فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو صرف عبادات؛ بلکہ معاملات میں بھی بنی نوع انسانی کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل اپنی حیاتِ مبارکہ کا ایک حصہ نہ صرف تجارت میں گزارا؛ بلکہ کامیاب تاجر کی حیثیت سے لوہا منوایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور کے جاہلانہ تجارتی نظام میں سچائی، امانت اور دیانت داری کی وہ بنیادیں رکھیں جن کی بدولت مکہ کے لوگ آپ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارتی زندگی آج کے دور کے تاجروں کے لیے کہ روشن مینار ہے جس پر عمل کر کے منصفانہ معاشی معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے۔

دیانت وسچائی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سچ بول کر تجارت کی گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کا سب سے پہلا اور بنیادی اصول یہ سکھایا کہ تجارت میں سچ بولا جائے، جس سے نہ صرف برکت ہوگی بلکہ لوگوں کا اعتماد بڑھے گا۔ اس بارے میں ایک سچ بولنے والے تاجر کی فضیلت بتاتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سچا اور امانت دار تاجر بروز محشر انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (سنن ترمذی، کتاب البیوع)

یہ غیر معمولی فضیلت بیان کرنے کا مقصد بھی یہ ہے کہ تجارت میں امانت اور دیانت کس قدر اہم اور ضروری ہے ایک مسلمان ہونے کی وجہ سے مثالی کردار اپنانا کتنا ضروری ہے، دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہلو کی طرف بھی لطیف اشارہ فرمادیا کہ تجارت دراصل نام ہی اعتماد کا ہے اور یہ

اعتماد بجز امانت و دیانت کے ناممکن ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاں عام زندگی میں صداقت و امانت نمایاں تھی وہیں تجارتی زندگی میں بھی یہ پہلو سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔ اسی لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن آپ کے گھر کا جب محاصرہ کیے ہوئے تھے تب بھی ان کی امانتیں آپ کے پاس تھیں، جن کو واپس لوٹانے کی ذمہ داری آپ نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کو سونپی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ ان کا رویہ جیسا بھی تھا؛ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت و دیانت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کے امانتیں ان کے سپرد کرنے کو غیر معمولی اہمیت دی اور ان تک پہنچانے کے لیے کردار ادا کیا۔

فکر معاش کا آغاز

نامور سیرت نگار ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی نے لکھا ہے کہ آپ کی عمر مبارک جب 12 برس کی ہوئی تو آپ کے چچا ابو طالب نے شام کی طرف جانے والے ایک تجارتی قافلے میں سفر کیا اور آپ کو بھی ساتھ لیا۔ (فقہ السیرہ باب دوم)

معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن سے ہی تجارت میں قدم رکھا، اگر چہ یہ سفر بعد میں محدود ہو گیا؛ چونکہ ایک راہب نے آپ کو پہچان لیا اور اس نے آپ کے چچا جناب ابو طالب کو یہود سے بچانے کے لیے نصیحت بھی کی، جس سے جناب ابو طالب کو خدشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں کوئی ان کے بھتیجے کو نقصان نہ پہنچا دے۔ ابن ہشام نے اس واقعے کو تفصیل سے لکھا ہے۔

ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی مزید لکھتے ہیں: جب آپ نے ان عنفوان شباب میں قدم رکھا تو آپ نے رزق کی سعی میں تلاش شروع کی اور بکریاں چرانے کا پیشہ اختیار فرمایا، بعد میں آپ نے اپنے بارے میں فرمایا: میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط (سکوں) کے عوض چرایا کرتا تھا۔ (فقہ السیرہ باب دوم)

اسی طرح مولانا ادریس کاندھلوی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ مقام اجیاد میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ (سیرت المصطفیٰ جلد اول صفحہ نمبر 103)

اس لیے رزق حلال میں چاہے کوئی بھی پیشہ ہو اور محنت مزدوری میں کوئی عار نہیں ہے۔ حضور ﷺ کی کوشش رہی ہے کہ خود کفیل بن کر اپنے چچا جناب ابو طالب کی معاشی مشکلات میں آسانیاں پیدا کریں اور ان کا ہاتھ بٹا کر معاونت کریں۔

ایفائے عہد

تجارت میں ایفائے عہد سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ روشن پہلو ہے جس نے عرب کے ریگستانوں سے لے کر دنیا کے بڑے بڑے تجارتی مراکز تک اسلام کی اخلاقی دھاک بٹھا دی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت میں زبانی وعدے اور تحریری معاہدے دونوں کی تکمیل کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔

مولانا ادریس کاندھلوی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''عبداللہ بن ابی الحمساء سے مروی ہے کہ میں نے بعثت سے پہلے ایک بار نبی اکرم ﷺ سے ایک معاملہ کیا، میرے ذمے کچھ دینا باقی تھا، میں نے عرض کیا کہ میں ابھی لے کر آتا ہوں، میں اتفاق سے گھر جانے کے بعد اپنا وعدہ بھول گیا، تین روز کے بعد یاد آیا کہ میں آپ سے واپسی کا وعدہ کر کے آیا تھا، یاد آنے ہی فوراً وعدہ گاہ پر پہنچا، آپ کو اسی مقام پر منتظر پایا۔ آپ نے صرف اتنا فرمایا: ''تم نے مجھ کو زحمت دی، میں تین روز سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں''۔ (سیرۃ المصطفیٰ جلد اول صفحہ نمبر 101)

سنت نبوی ﷺ کے مطابق تجارت میں جھوٹے وعدے کرنا یا معاہدہ کر کے مکر جانا منافقت کی نشانی ہے۔ تجارت میں سنت نبوی ﷺ صرف منافع کمانے کا نام نہیں؛ بلکہ دیانت اور ایفائے عہد کے ذریعے لوگوں کا اعتماد جیتنے کا نام ہے۔

شریک تجارت سے معاملہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجاری زندگی کے پہلو میں سے ایک پہلو شراکت بھی ہے۔ سنت نبوی ﷺ کے تناظر میں شراکت داری محض سرمایہ کاری کا نام نہیں؛ بلکہ یہ باہمی اعتماد، سچائی اور خیر خواہی کا ایک مقدس معاہدہ ہے۔

حدیث قدسی کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میں دو شریکوں میں تیسرا شریک ہوتا ہوں؛ جب تک کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے خیانت نہ کرے، جب وہ خیانت کرتا ہے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں''۔ (سنن ابی داؤد)

اس لیے شراکت داری میں دونوں میں باہمی اعتماد اور مالی معاملات میں امانت دار ہونا ضروری ہے۔

سیرت طیبہ میں اس حوالے سے ایک واقعہ سیرت نگاروں میں مختلف انداز میں ذکر کیا ہے، علامہ حلبی نے ام السیر میں لکھا ہے کہ ایک شخص مسائب ابن ابوسائب صیفی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تجارت تھے، جب فتح مکہ کے وقت یہ صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کہا ''كُنتَ شَرِيكِي فَنِعم الشَّرِيك لَاتدارى و لا تمارى'' (ام السیر المعروف سیرت حلبیہ جلد اول)

ترجمہ: تم میرے شریک تجارت تھے اور کیا ہی اچھے شریک تھے، نہ کسی بات کو ٹالتے تھے اور نہ کسی بات پر جھگڑا کرتے تھے۔

اس روایت پر علامہ علامہ حلبی نے کافی بحث کی ہے کہ آیا یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں یا یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائب نے کہے تھے۔

تجارتی اسفار

سیرت نگاروں نے متعدد تجارتی اسفار ذکر کیے ہیں۔ علامہ حلبی نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے، ان میں ملک شام، حباشہ (یمن) بعض نے اس کو ''جرش'' لکھا ہے، کا تذکرہ ملتا ہے۔

''حباشہ'' کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے غلام میسرہ کے ساتھ حباشہ کی منڈی میں بھیجا تھا، حباشہ ملک یمن کے ایک مقام کا نام ہے اور مکہ مکرمہ سے اس جگہ تک چھ رات کا سفر ہے۔ (یہاں خرید وفروخت کا سالانہ بازار لگا کرتا تھا) اور جس میں ہر سال رجب کے مہینے کے شروع میں تین دن تک خریداری ہوا کرتی تھی؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور میسرہ یہاں سے کپڑا خرید کر کے واپس آئے، جس میں کافی فائدہ حاصل ہوا۔ (سیرت حلبیہ جلد اول)

مصر کے مشہور سیرت نگار ڈاکٹر علی صلابی شام کے اس سفر کے بارے میں رقم طراز ہیں؛ جس میں میسرہ نے آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کے ساتھ ساتھ آپ کے بطور تاجر نمایاں اوصاف اور اصول دیکھے، جسے میسرہ نے واپس آکر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود دیکھا کہ ان کے مال میں اتنی برکت ہوئی جو اُن کے وہم وگمان میں نہ تھی۔ مزید لکھتے

ہیں کہ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت میں برکت عطا فرمائی اور ہر قسم کی خیر و بھلائی کے دروازے کھول دیے۔ (سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ڈاکٹر علی صلابی، جلد اول صفحہ نمبر 163)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و دیانت اور عدل و انصاف کے چرچے قبل از بعثت بھی زبان زدِ عام تھے۔ میسرہ نے جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں مشاہدہ کیں ان میں کچھ پر دیگر تاجروں نے نہ صرف حیرانی کا اظہار کیا؛ بلکہ کچھ نے یہاں تک بھی کہہ دیا کہ ان کو تجارت کا پتہ ہی نہیں اور پھر مال بھی دوسروں کا ہے، ایسے کرنے سے بہت نقصان ہوگا؛ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت اور عدل ملاحظہ کیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال تجارت کو جب تجارتی منڈی میں پیش کیا تو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک اعلیٰ اور دوسرا اوسط معیار کا، اس طرح ان کی قیمتوں میں بھی کمی بیشی کے ساتھ ردوبدل کر دیا۔

اس کے دو فائدے ہوئے ہیں:

اوّلاً: آپ کا وہ مال کم وقت میں بہت جلد فروخت ہوگیا۔

ثانیاً: اس سے منافع بھی زیادہ ہوے۔

ثالثاً: لوگوں کے درمیان آپ کے اعتماد میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

حالانکہ اس سے قبل اس معاشرے میں ایسی نادر مثالیں شاذ و نادر ہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اقدام سے ہمیں یہ سبق دیا کہ جو چیزیں عیب دار ہوں، اُن کو خلط ملط کرنے کی بجائے الگ الگ فروخت کیا جائے اور اس کے عیب کو بھی بیان کیا جائے۔ ہمارے ہاں بدقسمتی یہی ہے کہ ہم دکھاتے کچھ ہیں اور بیچتے کچھ ہیں، جس سے مال میں برکت کا فقدان ہوجاتا ہے اور پھر خریدار دوبارہ کبھی نہیں آتا۔ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو سب سے بہترین اندازِ تجارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اور پھر خیار عیب کا حق بھی باقی رہے؛ چہ جائے کہ دکان میں ایک بورڈ نمایاں کر کے آویزاں کیا جائے جس میں لکھا جائے کہ ’’خریدا ہوا مال واپس یا تبدیل نہیں ہوگا‘‘ حالانکہ از روئے شرع خیارِ عیب مشتری کا حق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقدامات کی وجہ سے مال تجارت میں نفع کی زیادتی ہوئی اور قبل از وقت فروخت پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیران ہوئیں اور اس بارے میں میسرہ سے پوچھا تو انھوں نے ساری روداد سنادی، جس سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے حد متاثر ہوئیں اور آپ کے عدل و انصاف اور امانت کی وجہ سے نکاح کا داعیہ پیدا ہوا۔

صدق ودیانت کو بنیاد بنانا

تجارت کی بنیاد محض منافع پر نہیں؛ بلکہ سچائی اور امانت داری پر ہونی چاہیے۔ نیز تاجروں کو چاہیے کہ وہ اشیاء کی خرید وفروخت میں جھوٹ اور غلط بیانی سے پرہیز کریں؛ تاکہ کاروبار میں برکت اور عوامی اعتماد پیدا ہو، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''سچا تاجر انبیاء اور شہداء کے ساتھ ہوگا''۔

ایفائے عہد کی پاسداری

قرآن وسنت کی روشنی میں زبانی وعدوں اور تحریری معاہدوں کی مکمل پاسداری کی جائے۔ سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں وعدہ خلافی یا معاہدے سے مکرنا منافقت کی نشانی ہے، لہٰذا وقت کی پابندی اور وعدوں کی تکمیل کو تجارتی ساکھ کا حصہ بنایا جائے۔

مال کے عیوب کو ظاہر کرنا

تاجروں کو چاہیے کہ وہ مال فروخت کرتے وقت اس کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیاں (عیوب) بھی واضح کریں۔ مال کو خلط ملط کرنے کے بجائے معیار کے مطابق الگ الگ کر کے فروخت کرنا سنتِ نبوی ﷺ ہے، جس سے گاہک کا دھوکہ دہی سے بچاؤ ممکن ہے اور یہی ایک امانت دار اور مسلمان تاجر کی شان ہے۔

حقِ واپسی (خیارِ عیب) کی فراہمی

دکانوں پر ''خریدا ہوا مال واپس نہیں ہوگا'' جیسے بورڈز آویزاں کرنے کے بجائے خریدار کو شرعی حق (خیارِ عیب) دیا جائے۔ اگر مال میں کوئی نقص ہو تو اسے خوش دلی سے واپس لینا یا تبدیل کرنا اسلامی تجارتی اخلاقیات کا تقاضا ہے۔ اس سے لوگوں میں اعتماد کی فضا پیدا ہوگی اور مال زیادہ فروخت ہوگا۔

شراکت داری میں شفافیت

کاروباری شراکت داروں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مکمل اخلاص اور خیر خواہی کا

معاملہ کریں۔ مالی معاملات میں شفافیت اور خیانت سے دوری ہی اللہ کی مدد اور برکت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اگر ان اصولوں پر شراکت قائم ہو تو شراکت کے ساتھ تجارت بہتر ہے۔

محنت اور خود کفالت کا جذبہ

رزقِ حلال کی تلاش میں کسی بھی جائز پیشے یا محنت مزدوری کو عار نہ سمجھا جائے۔ جس طرح آپ ﷺ نے بکریاں چرا کر اور تجارتی اسفار کر کے اپنے خاندان کی معاشی معاونت کی، اسی طرح نوجوانوں کو خود کفیل بننے کے لیے محنت کرنی چاہیے۔ محنت مزدوری کو عار نہیں سمجھنا چاہیے!

گاہک کے ساتھ حسنِ سلوک

تجارت میں جھگڑے اور بحث و تکرار سے بچنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کے شریکِ تجارت کی گواہی کے مطابق، ایک مثالی تاجر وہ ہے جو نہ بات ٹالے اور نہ جھگڑا کرے؛ بلکہ لین دین میں نرمی اور حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ اس سے مراد ایسی بحث ہے جو جھگڑے تک پہنچاتی ہو۔

منصفانہ نظامِ قیمت

قیمتوں کے تعین میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔ اشیاء کے معیار کے مطابق قیمت مقرر کرنا اور مصنوعی مہنگائی یا ذخیرہ اندوزی سے بچنا ایک مثالی تاجر کی پہچان ہے، جس سے معاشرے میں معاشی استحکام آتا ہے۔ ذخیرہ اندوزی اور اشیاء کی قلت کے وقت گرانی کرنا امانت دار تاجر کے شایانِ شان نہیں۔

* * *

حجۃ الوداع کا پیغام

از: ڈاکٹر فہد انوار
کلیۃ العلوم الاسلامیہ اسلام آباد

ہجرت کا آٹھواں سال فتحِ مبین کا تھا۔ مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ پوری آب وتاب کے ساتھ بلند ہوگیا اور شرک کے آثار سے بیت اللہ کو پاک کر دیا گیا۔ فتح مکہ کے بعد اطراف واکناف سے لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے اور پیغمبر ﷺ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا گیا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ جس مبارک مقصد کے لیے آپ ﷺ کو دنیا میں بھیجا گیا تھا، اس کی تکمیل کر دی جائے۔ نیابتِ نبوت کو باقی رکھ کر نبوت کا سلسلہ ختم کیا جائے اور حبیب اللہ کو محبوبِ حقیقی کے پاس بلا لیا جائے۔

9ھ میں اسلام کا پانچواں رکن حج فرض ہوا۔ اس سال آپ ﷺ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کو حج کروایا۔ سن 10ھ میں آپ ﷺ نے خود حج کا عزم فرمایا۔ آس پاس کے قبائل کو اطلاع کر دی گئی کہ آپ ﷺ بنفسِ نفیس خود حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ لوگ آپ ﷺ کی معیت کا لطف اٹھانے اور مناسکِ حج کی تربیت کے لیے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اس موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو، سفر کی تفصیلات، دعا، خطبات، قدم بہ قدم مناسک کی تفصیلات کو جس طرح محفوظ کیا، یہ ان کے رسول اللہ ﷺ سے عشق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پھر محدثین اور سیرت نگاروں نے جس اہتمام سے انھیں اپنی کتابوں میں درج کیا، اس پر وہ پوری امت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ یہ تفصیلات دیکھنے کے لیے سیرت کی متعدد محققانہ تصانیف موجود ہیں، جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ ﷺ 4 ذی الحجہ کو دن کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ چار روز قیام کے بعد جمعرات کے روز دن نکلتے ہی مسلمانوں کے ساتھ منیٰ تشریف لائے۔ ظہر وعصر کی نمازیں یہیں ادا

فرمائیں۔رات بسر کرنے کے بعد جب سورج نکل آیا تو عرفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔یہ جمعہ کا دن تھا۔آپ ﷺ نے دیکھا کہ نمرہ میں آپ ﷺ کے لیے خیمہ لگایا گیا ہے۔آپ ﷺ اس میں اُترے، زوال کا وقت ہوا تو اپنی اونٹنی قصویٰ تیار کرنے کا حکم دیا۔وہاں سے روانہ ہوکر عرفہ کے میدان کے وسط میں آئے اور اپنی سواری پر ہی تشریف رکھتے ہوئے وہ عظیم تاریخی خطبہ دیا،جس میں اسلام کی بنیادوں کو واضح کیا۔یہ عظیم خطبہ اپنے اندر حکمت وموعظت کا بے پناہ سامان رکھتا ہے۔ذیل میں اس کا متن دیا جاتا ہے، پھر اس سے حاصل ہونے والے فوائد پر ایک نظر ڈالی جائے گی:

''لوگو! تمہارے خون اور مال تم پر اس طرح حرام ہیں، جیسے کہ اس دن کی اس شہر میں اور اس مہینے میں حرمت ہے۔سنو! جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے پامال ہے۔جاہلیت کا خون باطل ہے اور میں ایسے خونوں میں سے سب سے پہلے (اپنے چچازاد بھائی) ربیعہ بن حارث کے لڑکے کا خون معاف کرتا ہوں۔جس نے بنوسعد میں پرورش پائی اور ہذیل نے اسے قتل کر دیا۔اور جاہلیت کا سود معاف ہے۔اور (اعزہ) کے سُودوں میں عباس بن عبدالمطلب کا سود (جوان کو دیا جاتا تھا) معاف کرتا ہوں، وہ سارا باطل ہے۔عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو! کیونکہ تم نے انھیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کی بات کے ساتھ ان کی شرم گاہوں کو حلال سمجھا ہے۔ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو (جس کا آنا تمہیں گوارا نہیں) نہ آنے دیں۔اگر وہ ایسا کریں تو انھیں اس طرح مار سکتے ہو، جس سے انھیں چوٹ نہ آئے اور تم پر ان کا یہ حق ہے کہ انھیں خوراک اور پوشاک اچھے طریقے سے دو اور میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اس کو پکڑنے سے تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔وہ کتاب اللہ ہے۔تم لوگوں سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم لوگ گواہی دیں گے کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا اور امانت ادا کی اور خیرخواہی کی۔آپ ﷺ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف بلند کی پھر لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور تین مرتبہ فرمایا: اے اللہ گواہ رہ! اے اللہ گواہ رہ! اے اللہ گواہ رہ!'' (صحیح مسلم)

ایک سرسری نظر اس خطبے سے حاصل ہونے والے فوائد پر ڈالتے ہیں:

پیغمبر ﷺ نے قربانی میں اپنے اعزہ کو مقدم کیا

اس خطبے میں نبی کریم ﷺ نے جاہلیت کے خون اور سود کو باطل قرار دے دیا۔یعنی جاہلیت میں کسی نے دوسرے کو قتل کیا تھا تو اب اس کا بدلہ معاف یا قرض وغیرہ کے ساتھ کیے گئے ناجائز معاملات کے نتیجے میں طے ہونے والے سود کو بھی باطل قرار دے کر اس کا لین دین ممنوع قرار دے

دیا۔اس ضمن میں نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں سے پہل کی۔اپنے رشتہ داروں کو جو اس قسم کے حقوق ملتے تھے، انھیں سب سے پہلے ساقط کر کے عملی نمونہ قائم کر دیا۔کسی تنقید کرنے والے کے لیے تنقید کی گنجائش نہیں چھوڑی۔شارحِ مسلم امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام اور دیگر جو لوگ نیکی کا حکم دیں، برائی سے منع کریں، انھیں چاہیے کہ ابتدا، اپنی ذات اور اپنے اہل سے کریں کہ یہ زیادہ قابل قبول ہے۔

مسلمان کے خون کی حرمت

نبی کریم ﷺ نے اس خطبے میں مسلمان کے جان و مال کی بڑی تکریم بیان فرمائی ہے۔زمانہ جاہلیت سے تمام تر خرابیوں کے باوجود عربوں میں حج کا مہینہ بہت مقدس تصور کیا جاتا تھا۔اسی طرح بیت اللہ شریف کی وجہ سے مکہ مکرمہ بھی بہت محترم شہر تصور کیا جاتا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے سامعین کے سامنے حج کے دن، مہینے اور مکہ مکرمہ کی مثال دی اور مسلمانوں کے جان و مال کی حرمت اور انھیں پامال کرنے کی شناعت و بُرائی کو واضح فرما دیا۔یہ اسی تعظیم کا اثر تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مسلمانوں کی راحت رسانی کو اپنی جان پر بھی مقدم رکھتے تھے۔

اسلام کفر کے نشان مٹا دیتا ہے

اس عظیم خطبے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جہاں اسلام توحید اور سنت کی عملی جلوہ گری سے حیاتِ انسانی کو مزین کرتا ہے، وہاں کفر کی تمام رسوماتِ باطلہ اور آثارِ فاسدہ کو بھی مٹا دیتا ہے۔جہاں اسلام بندے سے دل کی تصدیق اور زبان کا اقرار طلب کرتا ہے، وہاں کفر اور کفر کے تمام لوازم سے بیزاری بھی چاہتا ہے۔اس کے ساتھ ہی بندے کو اس بات کی بھی تسلی دیتا ہے کہ حالت کفر میں اس سے جو گناہ ہوئے، ان کی وجہ سے مایوس نہ ہو۔وہ اسلام قبول کرے تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔اگر مسلمان ہے، پھر اس سے گناہ ہوئے تو توبہ کرے، اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔

سود کی حرمت

رسول اللہ ﷺ نے سود کو بھی باطل قرار دیا۔زمانۂ جاہلیت میں لوگ قرض لیتے تو قرض دینے والا قرض دار سے رقم واپس کرنے پر کچھ نفع لینے کی شرط بھی مقرر کر لیتا۔واپسی کی تاریخ آنے پر بھی قرض دار مزید مہلت طلب کرتا تو قرض خواہ نفع بڑھا کر مزید مہلت دے دیتا۔اسی طرح جب تک قرض دار رقم ادا نہ کر سکتا، نفع کی مقدار بڑھتی چلی جاتی۔اسی کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے (فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ) (البقرۃ:279) کہ تمہارے لیے اتنا ہی ہے، جتنا تم نے اصل

قرض دیا تھا۔اسے ’’رِبا القرآن‘‘ بھی کہا جاتا ہے۔اس کے ساتھ سود کی ایک دوسری قسم، جسے ’’رِبا الحدیث‘‘ کہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جب دو اشیاء ایک ہی جنس کی ہوں تو ایک کے بدلے میں دوسری کو لیتے ہوئے زیادتی کی شرط جائز نہیں ہے؛ بلکہ دونوں کا برابر سرابر ہونا ضروری ہے۔سود کی یہ دونوں قسمیں حرام ہیں۔

خواتین کے حقوق کا تعین اور تحفظ

خطبہ حجۃ الوداع میں حقوقِ نسواں کے تعین اور تحفظ کا جس تاکید سے اہتمام کیا گیا ہے، وہ تاریخِ انسانی کا ایک سنگ میل ہے۔یہ ایک ایسا روشن مینارہ ہے کہ دنیا بھر میں خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے مخلصانہ کوششیں کرنے والے افراد اور ادارے اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ذرا ایک نظر عرب کے اس معاشرے پر ڈالیے،جس کے بارے میں قرآن عظیم فرماتا ہے:

(وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ.يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ) (النحل:58، 59)

’’اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور (اس کے دل کو دیکھو تو) وہ اندوہ ناک ہو جاتا ہے،اور اس خبر بد سے (جو وہ سنتا ہے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔‘‘

یہ وہ معاشرہ تھا، جہاں عورت کھیل تماشے کا ذریعہ تھی۔اشعار میں اس کا تذکرہ کسی گری پڑی چیز کی طرح کیا جاتا تھا۔نہ صرف عرب؛ بلکہ دنیا بھر میں بالعموم عورت کا کوئی وقار نہ تھا۔ہندوستان میں عورت معاشرے کا ذلیل فرد تھی۔یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات تھیں،جن کے نتیجے میں ماں کے قدموں کے نیچے جنت کو جانے والے نشانات مقرر ہوئے۔باوقار اور حیادار بیوی کو اسبابِ سعادت قرار دیا گیا۔بیٹیوں کی پرورش کرنے والے کو جنت کی خوش خبری دی گئی۔نبی کریم ﷺ نے اپنے اس خطبے میں عورتوں کی خوراک اور لباس کے انتظام کو مردوں کے ذمے کر کے عورتوں کو اس فکر سے بے نیاز کر دیا۔عورتوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تاکید کر کے مردوں پر خواتین کے حقوق کی عظمت کھول دی گئی۔

خواتین پر مردوں کے حقوق

آپ ﷺ نے اس کے ساتھ مردوں کے احترام کو بھی لازم قرار دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خواتین اپنی اور اپنے مردوں کی ناموس کا خیال کریں۔بے حیائی، بے پردگی اور بے وفائی کا ارتکاب

نہ کریں۔خاوند کی خدمت کو اعلیٰ درجے کی سعادت سمجھیں۔جب تک خاوند کسی غیر شرعی کام کا حکم نہ دے، تب تک اس کی فرماں برداری کریں؛ تاہم اگر وہ کسی بے حیائی میں مبتلا ہو جائے تو تربیت کے لیے خاوند اسے ہلکی ضرب بھی لگا سکتا ہے؛ لیکن مارنے یا جھڑکنے میں حد سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

کتاب اللہ ہر فتنے سے بچاؤ کی کفیل

چونکہ نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ اب اللہ کی مرضی اسی میں ہے کہ اپنے حبیب کو جلد اپنے پاس بلا لیا جائے۔اسی وجہ سے سورۂ نصر میں آپ ﷺ کو تسبیح اور استغفار کے خاص اہتمام کا بھی حکم دے دیا گیا؛ اس لیے آپ ﷺ نے امت کو کتاب اللہ سے مضبوط تعلق قائم کرنے کی تلقین کی اور اس تعلق کو ہر گمراہی سے حفاظت کا ذریعہ قرار دیا۔

کتاب اللہ دین کی اصل ہے۔اس کی حفاظت خود باری تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔یہ اپنے اندر ہدایت کا سامان رکھتی ہے۔زندگی کے مختلف شعبوں میں رہنمائی کرتی ہے۔کتاب اللہ کے الفاظ اور معانی دونوں فتنوں کے وقت میں پناگاہیں ہیں۔کتاب اللہ وہ مضبوط رسی ہے، جو اللہ تک پہنچاتی ہے۔

تبلیغ دین میں رسول اللہ ﷺ کی فکرمندی

نبی کریم ﷺ نے اپنے تیئس سالہ دورِ نبوت میں جس دل سوزی اور عالی ہمتی سے اللہ کے دین کو انسانوں تک پہنچایا، اس کے متعلق خود قرآن پاک کہتا ہے:

(حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ)(التوبة:128)

یعنی تمہاری ہدایت پر حریص ہیں اور اہل ایمان کو معاف کرنے والے اور رحم دل ہیں۔

آپ ﷺ نے سخت حالات میں اللہ کے دین کی دعوت لوگوں کے سامنے رکھی۔پھر بھی یہ آپ کی کمال تواضع، للّٰہیت اور خدا کے دین کو پہنچانے کے لیے فکرمندی کا اظہار تھا کہ آپ ﷺ صحابۂ کرامؓ کے تقریباً سوا لاکھ سے زائد مجمع کو اللہ کے سامنے بطور گواہ پیش کرتے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی صدقِ دل سے مقصدِ رسالت میں آپ ﷺ کی کامیابی کا اقرار کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اصحابِ دعوت کو بھی اپنی دعوت میں اس عظیم امانت کی درست ادائیگی کے بارے میں فکرمند رہنا چاہیے۔اس میں کوتاہی کے اندیشے کو ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہیے۔دعوت اور دعوت کے طریقِ کار کے مختلف پہلو پر نظر رکھنی چاہیے۔دعوت پہنچانے کے بعد اللہ سے قبولیت کی دعا بھی مانگنی چاہیے!

* * *

تہجد کی فضیلت کس طرح حاصل ہو؟

از: مولانا محمد محمود حسن
استاذ، مرکز الفکر الاسلامی، بنگلہ دیش، بشوندھرا، ڈھاکہ

تہجد کے معنی ہیں: جاگنا یا رات کے وقت اٹھنا۔ (المفردات، امام راغب، صفحہ۸۳۲) اور شرعی اصطلاح میں تہجد سے مراد وہ نفل نماز ہے جو عشاء کی نماز کے بعد رات کے کسی حصے میں پڑھی جائے۔ بعض صحابہ، تابعین اور بعد کے علماء کے نزدیک عشاء کی نماز کے بعد سے صبح صادق تک پڑھی جانے والی کوئی بھی نفل نماز تہجد کہلاتی ہے، خواہ اسے نیند سے اٹھ کر پڑھا جائے یا بغیر نیند کے، یا نیند سے پہلے پڑھا جائے۔ (تفسیر روح المعانی ۱۳۲/۸) اس نماز کو ''قیام اللیل یا صلاۃ اللیل'' بھی کہا جاتا ہے۔

قرآن وحدیث میں تہجد کی نماز کی فضیلت متعدد مقامات پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا﴾

ترجمہ: ''اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھیے یہ آپ کے لیے نفل ہے۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو محمود مقام عطا فرمائے گا۔'' (سورۃ بنی اسرائیل: آیت ۷۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾

ترجمہ: ''اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔'' (سورۃ الفرقان: آیت نمبر۶۴)

اسی طرح مؤمنوں کی تعریف میں ارشاد فرمایا:

﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ﴾

ترجمہ: ''جو شخص رات کے وقت سجدہ وقیام میں اللہ کی عبادت کرتا، آخرت سے ڈرتا اور اپنے

رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے، کیا وہ اس کے برابر ہے جو ایسا نہیں کرتا؟'' (سورۃ الزمر: ۹)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

أفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل.

ترجمہ: ''فرض نماز کے بعد سب سے بہترین نماز رات کی نفل نماز (تہجد) ہے۔'' (صحیح مسلم: رقم ۱۱۶۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"إن في الجنة لغرفا يرى بطونها من ظهورها، وظهورها من بطونها" فقال أعرابي: يا رسول اللّٰه لمن هي؟ قال: "لمن أطاب الكلام، وأطعم الطعام، وصلى للّٰه بالليل والناس نيام".

ترجمہ: ''جنت میں کچھ ایسے کمرے ہیں جن کا اندر سے باہر اور باہر سے اندر دِکھتا ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا: ان کے اہل کون لوگ ہیں؟ فرمایا: جو اچھا کلام کرے، لوگوں کو کھانا کھلائے اور رات کے وقت اللہ کے لیے نماز پڑھے جب کہ لوگ سوتے ہوں۔ (مسند احمد: ۱۳۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"لا تدع قيام الليل؛ فإن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان لا يدعه، وكان إذا مرض، أو كسل، صلى قاعدا".

ترجمہ: ''قیام اللیل کی نماز کبھی ترک نہ کرو؛ کیونکہ نبی ﷺ اسے کبھی ترک نہ کرتے تھے، حتیٰ کہ بیماری یا تھکن کے وقت بھی بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔'' (سنن ابی داؤد: ۱۳۰۷)

تہجد کی نماز کے بہتر اوقات

تہجد کے لیے سب سے بہتر وقت رات کا آخری تہائی حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو بستر چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں:

﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾

ترجمہ: ''ان کے پہلو بستر سے دور رہتے ہیں۔ وہ اللہ سے خوف اور امید کے ساتھ دعا کرتے ہیں، اور جو رزق ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (سورۃ سجدہ: ۱۶)

اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾

ترجمہ: ''رات کے تھوڑے ہی حصے میں وہ سویا کرتے ہیں، اور رات کے آخری تہائی حصے میں معافی مانگتے ہیں۔'' (سورۃ الذاریات: ۱۷-۱۸)

حدیث شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر يقول: من يدعوني، فأستجيب له من يسألني فأعطيه، من يستغفرني فأغفر له.

ترجمہ: ''ہمارا رب ہر رات کے آخری تہائی حصے میں (زمین کے) قریبی آسمان پر نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے: کون مجھے پکارے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون مجھ سے طلب کرے کہ میں اسے دوں؟ اور کون استغفار کرے کہ میں اسے معاف کر دوں؟'' (صحیح بخاری: ۱۱۴۵)

تہجد کے لیے رات کے آخری حصے میں اٹھنے کے آسان طریقے

رات کے آخری حصے میں اٹھ کر تہجد ادا کرنا بعض لوگوں کے لیے مشکل محسوس ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں حدیث شریف میں دو اہم ہدایات دی گئی ہیں:

۱- دن کے وقت مختصر نیند لینا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

استعينوا بطعام السحر على صيام النهار، وبالقيلولة على قيام الليل.

ترجمہ: ''تم لوگ سحری کھانے کے ذریعے روزے میں مدد لو، اور دن کے وقت مختصر نیند لے کر رات کی نماز (نفل تہجد) میں آسانی پیدا کرو۔'' (سنن ابن ماجہ: ۱۶۹۳)

۲- عشاء کے بعد جلدی سو جانا:

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عشاء کے بعد غیر ضروری کاموں میں مشغول ہونے کی بجائے جلد سونے کو پسند فرماتے تھے:

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يَكْرَهُ النومَ قبلَ العشاءِ والحديثَ بعدَها.

ترجمہ: ''نبی ﷺ عشاء سے پہلے سونے اور بعد میں فضول گفتگو کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔'' (صحیح بخاری: ۵۶۸)

تہجد کا ثواب حاصل کرنے کا آسان طریقہ

اگرچہ تہجد کے لیے سب سے بہتر وقت رات کا آخری حصہ ہے؛ لیکن عشاء کے بعد سے صبح صادق تک پڑھی جانے والی نفل نماز بھی تہجد ہے۔ رسول ﷺ نے اپنی امت کی یہ کمزوری دیکھتے ہوئے آسان طریقہ بتایا کہ عشاء کے بعد سونے سے پہلے دو چار رکعت نفل تہجد کی نیت سے ادا کرلی جائے۔ حدیث شریف میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إن هذا السهرَ جهدٌ وثقلٌ، فإذا أَوْتَرَ أحدُكم، فليركع ركعتين، فإن قَامَ من الليل، وإلَّا كانتا له.

ترجمہ: ''رات میں جاگنا مشقت بھرا اور بھاری کام ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی وتر پڑھے تو دو رکعت نفل پڑھ لے۔ اگر بعد میں رات کے آخری حصے میں اٹھنے کی توفیق ہوگئی تو بہتر، ورنہ یہ دو رکعتیں ہی تہجد کے ثواب کا سبب بن جائیں گی۔'' (سنن دارمی: ۱۶۳۵، صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۰۶، طحاوی شریف: ۲۰۱۱)

اسی طرح ایاس بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

لا بد من صلاة بليل ولو حلب شاة، وما كان بعد صلاة العشاء فهو من الليل.

ترجمہ: ''چاہے تھوڑی سی ہی ہو، رات کی نفل نماز (صلاۃ اللیل) ادا کرنا چاہیے، اور عشاء کے بعد پڑھی جانے والی تمام نفل نمازیں رات کی نماز شمار ہوں گی۔'' (طبرانی، مجمع الزوائد: ۲/۲۵۲، حدیث ۳۵۲۵)

عشاء کے بعد چار رکعت نفل کی فضیلت

حضرت کعب رحمہ اللہ سے روایت ہے:

من توضأ فأَحْسَنَ وضوءَهُ، ثم شَهِدَ صلاةَ العَتَمَةِ في جماعةٍ، ثم صلى إليها أربعًا مثلَها يقرأ فيها، ويتم ركوعها وسجودها، كان له من الأجر مثل ليلة القدر.

ترجمہ: ''جو شخص اچھی طرح وضو کرے، عشاء کی جماعت میں شامل ہو، اور بعد میں عشاء کے بعد چار رکعت نفل ادا کرے، رکوع وسجدہ مکمل کرے، اس کے لیے شبِ قدر کے برابر ثواب لکھا جائے گا۔'' (سنن نسائی: ۴۹۵۵)

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ عشاء کے بعد چار رکعت نفل ادا فرماتے تھے:

فصلى النبي صلى الله عليه وسلم العشاء، ثم جاء إلى منزله، فصلى أربع ركعات، ثم نام.

ترجمہ: ''میں اپنی خالہ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر رات گزار رہا تھا، نبی ﷺ عشاء پڑھ کر گھر آئے، پھر چار رکعت نفل پڑھیں اور پھر سو گئے۔'' (صحیح بخاری: حدیث نمبر ۱۱۷)

خلاصۂ کلام

لہٰذا جو لوگ رات کے آخری حصے میں اٹھنے سے قاصر ہیں، ان کے لیے بہتر ہے کہ عشاء کے بعد سونے سے پہلے دو چار رکعت نفل تہجد کی نیت سے ادا کرلیں۔ اگر بعد میں رات کے آخری حصے میں اٹھنے کی توفیق ہو جائے تو اور بھی بہتر، ورنہ یہ نفل ہی تہجد کے ثواب کا باعث بن جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم بھی اپنے رب کے حضور تہجد گزار بنیں! آمین۔

⁂ ⁂ ⁂

والدین بچوں کے لیے حقیقی معلم ومربی

از: مولانا محمد توقیر رحمانی
لیکچرر: مرکز المعارف، ممبئی

گرمی کی چھٹیاں اپنے ساتھ صرف موسم کی حدّت نہیں لاتیں؛ بلکہ انسانی تعلقات کے ایک نئے مرحلے کا دروازہ بھی کھولتی ہیں۔ تعلیمی اداروں کے دروازے بند ہوتے ہیں تو گھروں کے دروازے حقیقت میں کھلتے ہیں اور وہ بچے جو کل تک کتابوں، اسائنمنٹس اور اوقاتِ کار کے پابند تھے، اب ایک ایسی فضا میں داخل ہوجاتے ہیں، جہاں آزادی بھی ہے اور خاموش اثر پذیری بھی۔ یہ آزادی بظاہر قید سے نجات معلوم ہوتی ہے؛ مگر درحقیقت یہ ایک نئے نظم میں داخلہ ہے، ایسا نظم جس میں نصاب نہیں ہوتا؛ مگر اثر اس سے کہیں زیادہ گہرا ہوتا ہے۔

بچہ جب اسکول سے نکل کر گھر کی فضا میں آتا ہے تو وہ سیکھنا بند نہیں کرتا؛ بلکہ اس کی سیکھنے کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ اب اس کے سامنے کوئی سبق تختۂ سیاہ پر نہیں لکھا جاتا؛ بلکہ کردار کی صورت میں جیتا جاگتا دکھائی دیتا ہے۔ اگر ایک استاذ کا ایک جملہ ذہن میں نقش ہوتا ہے تو والدین کا ایک رویہ دل میں اتر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مرحلے میں تربیت ایک خاموش عمل بن جاتی ہے، ایسا عمل جس میں الفاظ کم اور اثر زیادہ ہوتا ہے۔ یہ حقیقت سمجھنا مشکل نہیں کہ انسان سنی ہوئی بات سے زیادہ دیکھی ہوئی چیز سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر ایک بچہ بار بار یہ دیکھے کہ اس کے والدین گفتگو میں تحمل رکھتے ہیں، اختلاف میں بھی احترام کا دامن نہیں چھوڑتے اور روزمرہ کے معمولات میں نظم و وقار کا لحاظ رکھتے ہیں، تو یہ صفات اس کے اندر غیر محسوس طریقے سے منتقل ہونے لگتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر گھر کا ماحول بے ترتیبی، تندی اور باہمی کھچاؤ کا شکار ہو، تو یہی عناصر بچے کی شخصیت میں بھی سرایت کرجاتے ہیں، چاہے اسے کبھی زبان سے ان کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔

اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ بچہ ایک خالی کاغذ نہیں؛ بلکہ ایک حساس آئینہ ہے۔ وہ صرف الفاظ

کو محفوظ نہیں کرتا؛ بلکہ لہجوں، اندازوں اور تعلقات کی نوعیت کو بھی اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ اگر آئینے کے سامنے روشنی ہوگی تو وہ روشنی کو لوٹائے گا اور اگر اس کے سامنے اندھیرا ہوگا تو وہ اندھیرے ہی کو منعکس کرے گا؛ اس لیے یہ گمان کہ بچے صرف نصیحت سے سنورتے ہیں، ایک ادھورا فہم ہے؛ حقیقت یہ ہے کہ وہ ماحول سے بنتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں والدین کا کردار ایک نئے امتحان میں بدل جاتا ہے۔ معمولی سی بے احتیاطی، جیسے میاں بیوی کے درمیان تلخ کلامی یا اونچی آواز میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا، بظاہر ایک وقتی ردِ عمل ہوتا ہے؛ مگر بچے کے ذہن میں یہ ایک مستقل نقش چھوڑ جاتا ہے۔ وہ نہ صرف ان الفاظ کو سنتا ہے؛ بلکہ تعلق کی اس نوعیت کو اپنے شعور کا حصہ بنالیتا ہے، اور پھر یہی طرزِ عمل اس کے اپنے رویوں میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔

اس کے برعکس اگر والدین اپنے تعلقات میں سنجیدگی، نرمی اور باہمی احترام کو برقرار رکھیں، تو یہ محض ایک اچھا اخلاقی عمل نہیں رہتا؛ بلکہ ایک عملی تعلیم بن جاتا ہے۔ بچہ یہ سیکھتا ہے کہ اختلاف زندگی کا حصہ ہے، مگر اس کا اظہار کس طرح ہونا چاہیے۔ وہ یہ جان لیتا ہے کہ طاقت آواز کی بلندی میں نہیں؛ بلکہ رویے کی پختگی میں ہوتی ہے۔ یہ سیکھنا کسی کتاب میں نہیں ملتا؛ بلکہ صرف مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔

یوں گرمی کی چھٹیاں دراصل ایک ایسا غیر مرئی مدرسہ بن جاتی ہیں، جہاں نہ حاضری لگتی ہے اور نہ امتحانی پرچے ہوتے ہیں؛ مگر یہاں ہونے والی تربیت عمر بھر کے نتائج پیدا کرتی ہے۔ سوال یہ نہیں کہ بچے اس دوران سیکھیں گے یا نہیں؟ کیونکہ وہ سیکھیں گے ہی؛ اصل سوال یہ ہے کہ وہ کیا سیکھیں گے؟ اور اس سوال کا جواب والدین کے اپنے طرزِ زندگی میں پوشیدہ ہے؛ کیونکہ بچے وہ نہیں بنتے جو انھیں کہا جاتا ہے؛ بلکہ وہ بنتے ہیں جو وہ دیکھتے ہیں۔

جب یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ گھر کا ماحول خود ایک خاموش معلم ہے، تو پھر اس معلم کو صحیح سمت دینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ تربیت محض نصیحت کا نام نہیں؛ بلکہ ایک ایسے ماحول کی تشکیل ہے جہاں ہر لمحہ ایک پیغام بن کر بچے کے دل میں اترتا رہے۔ گرمی کی چھٹیاں اسی اعتبار سے ایک غیر معمولی موقع ہیں؛ کیونکہ اس دوران بچے سب سے زیادہ اپنے والدین کے قریب ہوتے ہیں اور یہی قربت ان کی شخصیت کے خدوخال متعین کرتی ہے، اس لیے والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ گھروں میں ایک باقاعدہ اجتماعی تعلیم کا نظم قائم کریں۔ روزانہ ایک متعین وقت پر، جب سب افراد موجود ہوں، ایک مختصر؛ مگر باقاعدہ نشست ہو جس میں سب شریک ہوں۔ یہ محض پڑھنے کا عمل نہ ہو؛ بلکہ ایک ایسی فکری مجلس ہو جس میں سیرتِ طیبہ کے روشن پہلو، حیاتِ نبوی کے واقعات، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

کی زندگیوں کے عملی نمونے پیش کیے جائیں۔اسی طرح بزرگانِ دین، تابعین اور مشائخ کی جفاکشی، ان کی جدوجہد، مصائب پر صبر اور اپنے مقصد کے تعاقب میں ان کی استقامت کے واقعات کو بھی شامل کیا جائے؛ اس لیے کہ واقعات محض کہانیاں نہیں ہوتے؛ بلکہ وہ زندہ مثالیں ہوتے ہیں جو الفاظ سے زیادہ گہرائی کے ساتھ دل میں اترتے ہیں۔

جب ایک بچہ یہ سنتا ہے کہ کس طرح حیاتِ نبوی میں مشکل ترین حالات میں بھی اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا! یا صحابہ کرام نے کس طرح شدید آزمائشوں کے باوجود اپنے ایمان اور مقصد پر استقامت دکھائی، تو اس کے ذہن میں ایک معیار قائم ہو جاتا ہے۔وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ زندگی کا اصل حسن آسانیوں میں نہیں؛ بلکہ اصولوں پر قائم رہنے میں ہے۔اسی طرح جب وہ بزرگانِ دین کی زندگیوں میں مسلسل جدوجہد، قربانی اور صبر کے واقعات سنتا ہے تو اس کے اندر ایک خاموش جذبہ بیدار ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی خواہشات کا غلام نہیں؛ بلکہ اپنے مقصد کا پابند ہونا چاہیے؛ لیکن یہ تربیت صرف ان نشستوں تک محدود نہیں رہ سکتی۔اصل امتحان تو روزمرہ کے معمولات میں ہوتا ہے، جہاں ہر چھوٹا عمل ایک بڑی تعلیم میں بدل جاتا ہے؛ اسی لیے والدین کو خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو موبائل کا عادی نہ بنائیں۔اس کا سب سے مؤثر طریقہ یہی ہے کہ وہ خود اس کا بے جا استعمال ترک کریں، خاص طور پر بچوں کے سامنے؛ کیونکہ بچہ نصیحت سے زیادہ نقالی کرتا ہے؛ وہ سنتا کم ہے اور دیکھتا زیادہ ہے۔اگر والدین خود ہر وقت موبائل میں مصروف رہیں اور پھر بچوں کو اس سے روکیں، تو یہ تضاد بچے کے ذہن میں الجھن پیدا کرے گا؛ لیکن اگر وہ خود اسکرین سے فاصلہ رکھیں، گفتگو کو اہمیت دیں، اور بچوں کے ساتھ وقت گزارنے کو ترجیح دیں، تو یہ طرزِ عمل خود بخود ایک تعلیم بن جائے گا۔ بچے کے لیے یہ پیغام واضح ہو جائے گا کہ اصل اہمیت انسانوں کی ہے، تعلقات کی ہے، نہ کہ مشینوں کی۔

یوں یہ چھوٹے چھوٹے اقدامات مل کر ایک بڑی حقیقت کو تشکیل دیتے ہیں۔ایک طرف سیرتِ طیبہ، حیاتِ نبوی اور صحابہ و بزرگانِ دین کے واقعات سے ذہن کو سمت ملتی ہے اور دوسری طرف والدین کے اپنے رویے اور معمولات سے دل اور عادت کی تربیت ہوتی ہے۔جب یہ دونوں پہلو ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو تربیت ایک وقتی سرگرمی نہیں رہتی؛ بلکہ ایک زندہ عمل بن جاتی ہے ایسا عمل جو بچے کے اندر ایک ایسی روشنی پیدا کرتا ہے جو اسے زندگی کے پیچیدہ راستوں میں بھی سیدھا چلنے کی قوت عطا کرتی ہے، اور یہی روشنی دراصل اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

* * *

ماڈرن لباس سے بے حیائی کا فروغ

از: مولانا فضیل اختر قاسمی بھیروی
استاذ دارالعلوم رحیمیہ پیلیر آندھرا پردیش

فضائے عصرِ حاضر میں ایک عجب اضطراب، ایک انجانا ہیجان اور ایک خاموش انتشار رچ بس گیا ہے۔ بظاہر زندگی اپنے تمام تر جلوؤں، تزئین و آرائش اور ظاہری رونقوں کے ساتھ مسکراتی دکھائی دیتی ہے، مگر ذرا سا پردہ اٹھائیے تو معلوم ہوگا کہ اس چمکتی سطح کے نیچے اقدار کا شیرازہ بکھر چکا ہے، حیا کی چادر تار تار ہو رہی ہے اور غیرت کے چراغ یکے بعد دیگرے گل ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ وہ لمحہ فکریہ ہے جہاں تہذیب اپنی بنیادوں سے سرک رہی ہے اور انسان اپنے ہی بنائے ہوئے فریبِ نظر کا اسیر بنتا جا رہا ہے۔ کبھی یہی لباس انسان کے وقار کا پاسبان، اس کی شخصیت کا محافظ اور اس کی شرافت کا اعلان ہوتا تھا۔ اس کے تار و پود میں متانت اور تہذیبی شعور کی خوشبو بسی ہوتی تھی؛ مگر اب یہی لباس، جسے حجابِ وقار ہونا چاہیے تھا، تدریجاً نمائشِ جسم، کششِ نظر اور ہیجانِ خواہش کا وسیلہ بنتا جا رہا ہے۔ گویا لباس اپنی اصل روح سے خالی ہو کر صرف ایک ظاہری مظہر رہ گیا ہے، جس کا مقصد چھپانا نہیں؛ بلکہ دکھانا بن چکا ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ نگاہیں اب معصوم نہیں رہیں؛ بلکہ وہ ایک ایسے ماحول کی پروردہ بن چکی ہیں جہاں ہر شے خود کو نمایاں کرنے کے درپے ہے۔ جب پردے کی سرحدیں ڈھیلی پڑ جائیں، جب حدود کی لکیر مٹنے لگے اور جب حیا کو فرسودہ خیال سمجھ کر ترک کر دیا جائے تو پھر نظریں بھی اپنی پاکیزگی برقرار نہیں رکھ پاتیں۔ یہ ایک فطری تسلسل ہے۔ جب ظاہر بے قابو ہوتا ہے تو باطن بھی بے مہار ہو جاتا ہے اور جب لباس مختصر ہو جاتا ہے تو نگاہوں میں بھی ایک بے ساختہ سرکشی جنم لینے لگتی ہے۔

یہ عہدِ حاضر کی پوری اخلاقی تصویر ہے، ایک ایسا آئینہ جس میں ہم اپنے معاشرے کا بگڑتا ہوا رخ صاف دیکھ سکتے ہیں۔ یہ مضمون اسی آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو پہچاننے، اپنے

طرزِفکر کا محاسبہ کرنے اور اس بگڑتی ہوئی سمت کو سنبھالنے کی ایک باادب کوشش ہے؛ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم ظاہری ترقی کے فریب میں اپنی روحانی شناخت ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھیں۔

جب انسانی فکر کی کشتیاں خواہشات کے طوفان میں ڈولنے لگتی ہیں اور معاشرہ ظاہری چکاچوند میں اپنے باطن کی سمت کھو بیٹھتا ہے، تو شریعتِ مطہرہ اپنے ابدی اور حکیمانہ اصولوں کے ساتھ انسانیت کی رہنمائی کرتی ہے۔ صانعِ لاثانی و منعمِ حقیقی نے انسان کو لباس کی نعمت عطا کرتے ہوئے اس کی اصل غایت نہایت حکیمانہ انداز میں بیان فرمائی: يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ.

یہ آیتِ کریمہ اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ لباس کا اولین مقصد ستر پوشی اور زینت ہے؛ مگر اس سے بڑھ کر جو چیز مطلوب ہے وہ ''لباسِ تقویٰ'' ہے۔ یعنی وہ باطنی کیفیت جو انسان کے ظاہر کو بھی وقار عطا کرتی ہے۔ جب یہ باطنی لباس مفقود ہو جائے تو ظاہری لباس خواہ کتنا ہی دلکش کیوں نہ ہو، اپنی معنویت کھو دیتا ہے۔ اسی طرح اہلِ ایمان کو نگاہوں کی حفاظت اور عفت کی پاسداری کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ.

اور اہلِ ایمان خواتین کو بھی یہی ہدایت دی گئی کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں اور اپنے دامنِ عفت کو محفوظ رکھیں۔ یہ احکام اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اسلام صرف ظاہری پردے کا مطالبہ نہیں کرتا؛ بلکہ ایک ایسا ماحول قائم کرنا چاہتا ہے، جہاں نگاہیں بھی پاک ہوں اور معاشرہ بھی مہذب۔ سنتِ نبوی ﷺ میں بھی حیا کو نہایت عظمت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الحياءُ شعبةٌ من الإيمان" (حیا ایمان کا ایک بنیادی شعبہ ہے)۔ یہ وہ جوہر ہے جو انسان کو بدنگاہی، بدکرداری اور بے راہ روی سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا: "إذا لم تستح فاصنع ما شئت" یہ ایک انتباہ ہے، ایک زوردار تنبیہ کہ جب حیا کا قلعہ منہدم ہو جائے تو پھر انسان ہر حد کو پامال کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یوں قرآن وسنت کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ انسان کی ظاہری ہیئت، اس کا لباس، اس کی چال ڈھال اور اس کی نگاہ سب ایک مربوط نظام کا حصہ ہیں۔ اگر لباس اپنی حد سے تجاوز کرے گا تو نگاہ بھی قابو میں نہیں رہے گی اور اگر نگاہ بے مہار ہو جائے تو دل کی پاکیزگی بھی متاثر ہوگی؛ اسی لیے شریعت نے ایک مکمل تہذیب عطا کی ہے۔

انسانی طبیعت کی ساخت کچھ اس طرح رکھی گئی ہے کہ وہ محسوسات سے متاثر ہوتی ہے، مناظر سے مائل ہوتی ہے اور ظواہر سے رغبت اختیار کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے جہاں باطن

کی اصلاح پر زور دیا ہے، وہیں ظاہر کے ان اسباب کو بھی قابو میں رکھنے کی تلقین کی ہے جو دل و دماغ پر اثر انداز ہوتے ہیں؛ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ آنکھ دل کا دروازہ ہے؛ جو کچھ نگاہ دیکھتی ہے، وہی آہستہ آہستہ دل کی دنیا میں جگہ بنالیتا ہے۔

جب معاشرہ ایسے مناظر سے لبریز ہو جائے جہاں لباس اپنی اصل حدوں سے تجاوز کر جائے، جہاں جسم کی ہیئت نمایاں ہو جائے، تو نگاہ کے لیے خود کو بچالینا ایک غیر معمولی مجاہدہ بن جاتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں فساد کا ایک نہایت مہلک سلسلہ شروع ہوتا ہے: پہلے نظر ٹھہرتی ہے، پھر دل مائل ہوتا ہے، پھر خیال جنم لیتا ہے، اور بالآخر یہ سلسلہ عمل کی سرحدوں کو بھی چھونے لگتا ہے۔ اسی حقیقت کو شریعت نے نہایت حکیمانہ انداز میں ابتدا ہی میں روک دیا۔ نگاہ کو جھکانے کا حکم دے کر اور لباس کو حدود میں رکھنے کی تلقین کر کے؛ کیونکہ اگر ابتدا ہی میں اس دروازے کو بند نہ کیا جائے تو بعد کی منزلیں زیادہ دشوار اور خطرناک ہو جاتی ہیں۔

آج کا المیہ یہ ہے کہ اس فطری ترتیب کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لباس کو صرف ذاتی آزادی کا معاملہ سمجھ لیا گیا ہے؛ حالانکہ اس کے اثرات صرف فرد تک محدود نہیں رہتے؛ بلکہ پورے معاشرے کی اخلاقی فضا کو متاثر کرتے ہیں۔ جب ایک فرد اپنے ظاہر کو بے قید کرتا ہے تو وہ درحقیقت دوسروں کی نگاہوں کو بھی آزمائش میں ڈال دیتا ہے اور یوں ایک فرد کا انتخاب اجتماعی بگاڑ کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ نفسِ انسانی ہمیشہ سہولت کی طرف مائل ہوتا ہے اور خواہشات کے پیچھے چلنے میں اسے لذت محسوس ہوتی ہے۔ اگر اس کے سامنے حدود نہ ہوں، اگر اسے روکنے والی کوئی باطنی قوت نہ ہو تو وہ آہستہ آہستہ اعتدال کی راہ سے ہٹ کر افراط و تفریط کی وادی میں بھٹکنے لگتا ہے۔ مختصر لباس اسی بے مہار نفس کے لیے ایک دعوتِ نظر بن جاتا ہے اور نگاہ اس دعوت کو قبول کرنے میں دیر نہیں لگاتی۔ یوں لباس اور نظر کے درمیان ایک ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے جو گہرا نفسیاتی اور اخلاقی ربط رکھتا ہے۔ اگر ایک طرف سے بے احتیاطی ہو تو دوسری طرف سے استقامت برقرار رکھنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ یہی وہ تلخ حقیقت ہے جسے نظر انداز کر کے ہم ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کر رہے ہیں جہاں خواہشات کی حکمرانی ہے اور حیا کا وجود بتدریج مٹتا جا رہا ہے؛ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس ربط کو سمجھیں، اس کے نتائج کا ادراک کریں اور اس فساد کے سلسلے کو وہیں روک دیں جہاں سے یہ جنم لیتا ہے۔

اگر ہم عصرِ حاضر کے آئینے میں جھانکیں تو ایک نہایت تشویشناک منظر سامنے آتا ہے، ایسا

منظر جس میں چمک، رنگینی اور آزادی بہت ہے؛ مگر حدود کی پہچان ناپید ہو چکی ہے۔ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید، سوشل میڈیا کی بے لگام ترغیب اور فیشن انڈسٹری کی جارحانہ پیش کش نے ایک ایسا ماحول تشکیل دے دیا ہے جہاں لباس اب تہذیب کی نمائندگی نہیں؛ بلکہ رجحانات کی غلامی کا اعلان بن چکا ہے۔

گھر جو کبھی تربیت کی پہلی درس گاہ اور حیا کی آماج گاہ ہوتا تھا، اب خود اس تغیر کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ والدین، جو نگہبانِ اقدار تھے، بسا اوقات لاشعوری طور پر اسی بے راہ روی کو فروغ دے رہے ہیں۔ بچوں کے لیے لباس کا انتخاب سہولت، رواج اور وقتی خوشی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، نہ کہ دینی بصیرت، اخلاقی وقار اور مستقبل کی تربیت کو پیشِ نظر رکھ کر۔ یوں بچپن کی نرم مٹی میں جو بیج بوئے جاتے ہیں، وہی آگے چل کر عادت، مزاج اور شناخت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

اس ماحول میں پروان چڑھنے والی نسل کے لیے حیا کوئی فطری قدر نہیں رکھتی؛ بلکہ ایک اجنبی اصطلاح بن جاتی ہے۔ جب بچپن سے نگاہوں کے سامنے بے پردگی معمول بن جائے، جب لباس کی حدود مٹتی ہوئی دکھائی دیں اور جب معاشرہ اس پر خاموشی اختیار کر لے تو پھر حساسیت ماند پڑ جاتی ہے اور غیرت کا چراغ مدھم ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بے حیائی کو برا نہیں سمجھا جاتا؛ بلکہ اسے ''ماڈرن سوچ'' کا نام دے کر پیش کیا جاتا ہے۔

اس صورتِ حال کے نتائج نہایت سنگین اور دور رس ہیں۔ معاشرتی بے چینی، اخلاقی انتشار، رشتوں کی کمزوری اور جرائم کی افزائش یہ سب اسی سلسلۂ انحراف کی کڑیاں ہیں۔ جب نگاہوں میں بے احتیاطی در آئے اور دلوں میں خواہشات کا غلبہ ہو جائے تو پھر انسان کی داخلی دنیا میں ایک ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جسے نہ فیشن پُر کر سکتا ہے اور نہ ہی ظاہری چمک دمک۔

یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ موجودہ بحران کسی ایک فرد یا طبقے کا نہیں؛ بلکہ ایک اجتماعی لغزش کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم نے اس رخ کو نہ بدلا تو یہ انحطاط مزید گہرا ہوگا اور آنے والی نسلیں ایک ایسے ماحول میں پروان چڑھیں گی جہاں حیا کا تصور صرف تاریخ کا ایک باب بن کر رہ جائے گا۔

سب سے پہلا محاذ گھر ہے، جہاں کردار کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور مزاج کی تشکیل ہوتی ہے۔ اگر والدین خود سادگی، وقار اور حیا کا عملی نمونہ بن جائیں تو بچوں کی فطرت اسی سانچے میں ڈھلنے لگتی ہے۔ تربیت ایک مسلسل عملی مظاہرہ ہے؛ بچے وہی سیکھتے ہیں جو وہ دیکھتے ہیں، نہ کہ صرف وہ جو انھیں بتایا جاتا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ گھر کا ماحول ایسا بنایا جائے جہاں لباس میں اعتدال، گفتار میں

شائستگی اور نگاہ میں پاکیزگی خود بخود منتقل ہوتی رہے۔ اسی کے ساتھ تعلیمی اداروں اور دینی مراکز کا کردار بھی نہایت اہم ہے۔ وہاں ایسی فکری بیداری پیدا کی جائے جو نوجوان ذہنوں کو یہ سمجھا سکے کہ حیا کوئی قدامت نہیں؛ بلکہ ایک مہذب اور باوقار زندگی کی ضمانت ہے۔ جب شعور بیدار ہوگا تو انتخاب خود بخود سنورنے لگے گا اور انسان اپنی آزادی کو حدود کے اندر رہ کر برتنے کا ہنر سیکھ لے گا۔ معاشرے کی سطح پر بھی ایک مثبت فضا قائم کرنا ضروری ہے، جہاں بے حیائی باعثِ ندامت سمجھی جائے۔ میڈیا، سوشل پلیٹ فارمز اور عوامی گفتگو میں ایسے رجحانات کی حوصلہ افزائی کی جائے جو انسان کو اس کی اصل شناخت کی طرف لوٹائیں، نہ کہ اسے ظاہری نمائش کی دوڑ میں مزید دھکیل دیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حیا کسی بیرونی دباؤ کا نام نہیں؛ بلکہ ایک اندرونی کیفیت ہے۔ دل کی وہ روشنی جو انسان کو خود اپنی حدود کا پاسدار بنا دیتی ہے، اور معاشرہ بھی اعتدال کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

اگر ہم نے اپنے ظاہر و باطن میں توازن پیدا کر لیا، حیا کو اپنی زندگی کا جزو بنا لیا اور اپنی آئندہ نسلوں کو اس کا امین بنا دیا، تو وہ دن دور نہیں جب یہ بگڑتی ہوئی فضا سنبھلنے لگے گی اور معاشرہ ایک بار پھر اپنی اصل تہذیبی روشنی سے منور ہو جائے گا۔ صانعِ لاثانی و منعمِ حقیقی ہمیں صحیح شعور، درست عمل اور حیا و تقویٰ کی دولت سے مالا مال فرمائے، اور ہماری نسلوں کو اس زوال کے سیلاب سے محفوظ رکھے۔

❋ ❋ ❋

آن لائن نکاح کی شکلیں

از: مفتی قاضی محمد فیاض عالم قاسمی

آج کل بہت ساری چیزیں آن لائن ہورہی ہیں؛ اس لیےلوگ نکاح بھی آن لائن کرنا چاہتے ہیں۔ خاص طور پر جولوگ بیرون ممالک میں رہتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ آن لائن نکاح ہوجائے، ''نکاح نامہ'' بھی بن جائے، ضروری دستاویز بن جانے کے بعد وہ خود اپنے ملک میں آکر اپنی بیوی کو لے جائے، ورنہ ایک بار اس کو نکاح کے لیے آنا پڑے گا اور دوسری بار بیوی کو لے جانے کے لیے، جس کا وہ متحمل نہیں ہوتا۔ نکاح ایک عبادت ہے؛ اس لیے اس کے اصول وضوابط بھی شریعت میں متعین ہیں۔ اس کی شرائط میں سے یہ ہے کہ ایجاب وقبول دو مسلمان گواہوں کی موجوگی میں ایک ہی مجلس میں ہو؛ اس لیے عام طور پر یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ آن لائن نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ تاہم بعض ایسی شکلیں بھی ہیں جن سے آن لائن نکاح ہوسکتا ہے؛ اس لیے ہم ذیل میں ان صورتوں کو بیان کرتے ہیں جن کو اختیار کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور ان صورتوں کو بھی جن سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔

نکاح منعقد نہ ہونے کی پہلی شکل

سب آن لائن: یعنی لڑکا، لڑکی، گواہان، نکاح پڑھانے والا سب الگ الگ جگہوں پر ہوں؛ لیکن آن لائن جڑے ہوئے ہوں، آن لائن ایجاب وقبول ہورہا ہو، تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، چاہے سب ایک دوسرے کو دیکھ اور سن رہے ہوں۔ چاہے یہ آڈیو میں ہو، یا ویڈیو میں۔ کانفرسنگ کے ذریعہ ہو یا اور کسی طریقے سے؛ کیوں کہ ایجاب وقبول کی مجلس ایک نہیں ہے۔

دوسری شکل: لڑکا، لڑکی آن لائن: گواہان اور قاضی صاحب ایک جگہ موجود ہیں؛ لیکن لڑکا لڑکی الگ الگ جگہوں پر آن لائن ہوکر از خود ایجاب اور قبول کررہے ہیں یا قاضی صاحب کروا رہے ہیں

تو بھی نکاح نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ایجاب کرنے والے اور قبول کرنے والے کی مجلس الگ الگ ہے۔ نیز گواہوں کی مجلس بھی الگ ہے۔

تیسری شکل: صرف گواہ آن لائن: لڑکا، لڑکی اور قاضی صاحب سب ایک جگہ موجود ہیں؛ لیکن گواہان چاہے ایک ساتھ ہوں یا الگ الگ، ایک گواہ یا دونوں آن لائن ان کے ایجاب وقبول کو سن رہے ہیں، تو نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ایجاب وقبول کرنے والے اور گواہوں کی مجلس الگ الگ ہے۔

چوتھی شکل: صرف قاضی آن لائن: لڑکا، لڑکی اور گواہان سب ایک جگہ موجود ہیں، صرف نکاح پڑھانے والے قاضی صاحب آن لائن ہیں، وہ لڑکے سے یوں کہے کہ میں نے تمہارا نکاح فلانہ لڑکی سے کر دیا، پھر لڑکی سے کہے کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں لڑکے سے کر دیا۔ اس صورت میں بھی نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہاں ایجاب کرنے والا قاضی ہے۔ اس کی اور قبول کرنے والا یا قبول کرنے والی کی مجلس الگ ہے۔

پانچویں شکل: قاضی اور گواہ آن لائن: لڑکا، لڑکی ایک جگہ ہوں، گواہان اور قاضی صاحب آن لائن ہوں، قاضی صاحب دونوں میاں بیوی سے ایجاب وقبول کرائے، یا وہ ازخود ایجاب وقبول کریں اور گواہان آن لائن سنیں، تو بھی نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ کیوں کہ گواہوں اور ایجاب وقبول کرنے والوں کی مجلس الگ ہے۔

ان ساری صورتوں میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ خواہ ٹیلیفون، موبائل، وہاٹس ایپ، فیس بک، چیٹنگ کے ذریعہ ہو یا آڈیو کانفرنس ہو یا ویڈیو کانفرس، گوگل میٹ، زوم یا کسی اور طرح سے جڑے ہوئے ہوں۔ نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ایجاب کرنے والے اور قبول کرنے والے کی مجلس الگ ہے یا گواہوں کی مجلس الگ ہے۔

نکاح منعقد ہونے کی پہلی شکل

بذریعہ وکالت

ٹیلیفون، موبائل، وہاٹس ایپ، فیس بک، چیٹنگ کے ذریعہ ہو یا آڈیو کانفرنسنگ یا ویڈیو کانفرسنگ کے ذریعہ لڑکا کسی کو وکیل بنادے کہ آپ میرا نکاح فلانہ عورت سے کرادیں۔ لڑکا اپنے والد، والدہ، چچا، ماموں، بھائی، بھابی، دوست وغیرہ حتیٰ کہ نکاح پڑھانے قاضی صاحب کو بھی نکاح کرانے کے لیے وکیل بنا سکتا ہے کہ آپ میرا نکاح فلانہ عورت سے کرادیں۔ بعینہ یہی کارروائی

خاتون بھی کرسکتی ہے۔یعنی وہ بھی اپنے والد، بھائی چچا، ماموں، بھائی، بھابی سہیلی وغیرہ کو یا قاضی صاحب کو وکیل بنادے کہ آپ میرا نکاح فلاں آدمی سے کرادیں۔مرد کو بھی وکیل بنایا جاسکتا ہے اور عورت کو بھی۔لکھ کر بھی وکیل بنایا جاسکتا ہے اور بول کر بھی۔آڈیو کے ذریعہ بھی اور ویڈیو کے ذریعہ بھی۔براہِ راست بول کر بھی اور ریکارڈنگ کر کے بھیج کر بھی۔وکیل بنانے کے لیے گواہی شرط نہیں ہے۔بغیر گواہی کے بھی وکیل بنانا درست ہے۔

وکالت نامہ کا مضمون کیا ہو؟

بہتر ہے کہ باضابطہ طور پر وکالت نامہ بنایا جائے جس میں وکالت نامہ کا عنوان ہو، پھر اپنا نام، عمر، پتہ وغیرہ سب لکھنے کے بعد جس کو وکیل بنا رہا ہے یا بنا رہی ہے اس کا نام و پتہ، عمر، کس سے نکاح کرانے کے لیے وکیل بنا رہا ہے، اس کا نام و پتہ، عمر، مہر کی صراحت وغیرہ کرے۔مثلاً لکھے کہ میں فلاں نے اپنا نکاح اتنے مہر کے عوض فلانہ سے کرانے کے لیے فلاں کو وکیل بنادیا۔پھر اپنا دستخط کرے، دومسلمان مرد گواہوں کے دستخط لے اور ان کے نام و پتے بھی لکھے جائیں۔تاریخ بھی لکھے۔پھر اس کو وکیل کے پاس کسی بھی ذریعہ سے بھیج دے؛ تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔واضح رہے کہ وکالت کے گواہ اور نکاح کے گواہ الگ الگ بھی ہوسکتے ہیں اور وہی گواہ بھی ہوسکتے ہیں۔

وکیل کا طریقۂ ایجاب

اب وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں لڑکی یا لڑکے سے اس طرح ایجاب کرے کہ مجھے فلاں یا فلانہ نے آپ سے نکاح کرانے کا وکیل بنایا ہے، اس لیے میں نے فلاں فلاں گواہوں کی موجودگی میں اپنے مؤکل فلاں یا فلانہ کا نکاح اتنے مہر کے عوض آپ سے کردیا۔کیا آپ نے منظور کیا؟ لڑکی یا لڑکا اس طرح قبول کرے کہ جی میں نے قبول کیا، تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

دوسری شکل: لڑکا اور لڑکی دونوں الگ الگ جگہوں پر ہوں، گواہان اور قاضی صاحب ایک جگہ پر ہوں، لڑکا اور لڑکی دونوں نے آن لائن قاضی صاحب کو یا کسی اور کو ایک دوسرے سے نکاح کرانے کا وکیل بنادیا۔تو قاضی صاحب یا وہ وکیل صاحب ان دونوں گواہوں کی موجودگی میں کہے کہ فلاں نے اور فلانہ نے بھی مجھے وکیل بنایا ہے، تم دونوں گواہ رہو کہ میں نے فلاں کا نکاح فلانہ سے اتنے مہر کے عوض کردیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

تیسری شکل: اگر دونوں نے قاضی صاحب کو وکیل نہیں بنایا؛ بلکہ ایک نے مثلاً لڑکے نے بنایا، اور قاضی صاحب نے دو گواہوں کی موجوگی میں کہا کہ فلاں نے مجھے فلانہ سے نکاح کرانے کا وکیل

بنایا ہے؛ اس لیے میں نے اس کا نکاح فلانہ سے اتنے مہر کے عوض کردیا؛ حالاں کہ فلانہ نے وکیل نہیں بنایا تھا،تو یہ نکاح فوراً منعقد نہیں ہوگا؛ بلکہ فلانہ کو جب اطلاع پہونچے گی، چاہے اسی وقت اس کو بتایا جائے، یا بعد میں، جب وہ کہے گی کہ ہاں مجھے منظور ہے۔ یا مجھے قبول ہے تو اس وقت نکاح منعقد ہوجائے گا۔

چوتھی شکل: لڑکے نے ایک کو وکیل بنایا اور لڑکی نے دوسرے کو وکیل بنایا، یہ دونوں وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کریں۔ مجھے فلاں نے وکیل بنایا ہے؛ اس لیے میں نے اپنے مؤکل کا نکاح تمہاری مؤکلہ فلانہ سے اتنے مہر کے عوض کردیا، کیا تم نے قبول کیا؟ لڑکی کا وکیل اس طرح قبول کرے کہ میں نے میری مؤکلہ کی طرف سے قبول کیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

پانچویں شکل: لڑکا، لڑکی اور گواہان سب ایک جگہ موجود ہیں، صرف نکاح پڑھانے والے قاضی صاحب آن لائن ہیں، وہ لڑکے کو تلقین کرے۔ یعنی میں جیسا کہوں تم بھی ویسا ہی کہو، ’’میں نے تم (خاتون کا نام) سے فلاں فلاں گواہوں کی موجودگی میں نکاح کیا۔ کیا تم نے قبول کیا؟۔ ان جملوں کو جب لڑکے نے لڑکی سے کہا اور لڑکی نے اسی وقت گواہوں کی موجودگی میں اِس ایجاب کو قبول کرلیا کہ ہاں میں نے قبول کیا، تو نکاح منعقد ہوگیا۔ قاضی نے جس طرح ایجاب کو لڑکے سے کہلوایا اسی طرح قبول کو بھی لڑکی سے کہلوا سکتا ہے۔

آن لائن خطبۂ نکاح: نکاح میں خطبہ دینا سنت ہے اور خطبہ سننا واجب ہے، سننے کے لیے براہ راست سننا ضروری نہیں ہے۔ پس اگر آن لائن خطبہ نکاح دیا جائے اور لوگ آن لائن ہی سنیں تو سنت ادا ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ۔

نوٹ: آن لائن نکاح کرنے اور کرانے میں چوں کہ کسی قدر پیچیدگی ہے؛ اس لیے بہتر ہے کہ کسی جانکار اور تجربہ کار قاضی اور مفتی سے ہی نکاح پڑھایا جائے۔

* * *